

MARCH 2009

خواتین اور دوشیزاؤں کی اولین پسند

ماہنامہ
تہ مج
واچسٹ

digest library.com



خواتین ایڈیشن



ناولٹ

ہم دل سے ہیں

سمیرا شریف طور

وہ سوئی ہوئی تھی۔۔۔ بہت گہری نیند میں تھی لہجہ مسلسل رو رہا تھا، شہباز حیدر نے لب بھیچے ہوئے جب ایک دم کمرے کا دروازہ کھینچنے کی آواز پر دوڑے۔

ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ ادھ کھلی آنکھوں سے اپنے ارد گرد کی نظر ڈالی۔ وہ فوراً آگے بڑھی تھی۔

”کیا ہوا ہے۔۔۔؟ یہ رو کیوں رہا ہے؟“ وہ شہباز حیدر کے تاثرات نظر انداز کیے پریشانی سے گویا تھی، شہباز حیدر نے سلگتی نظروں سے عیشہ واجد کو دیکھا۔

”کون۔۔۔؟“ کمرے کی مدہم روشنی میں ڈوٹے کی تلاش میں ناکام ہو کر وہ دروازے کی طرف چلی آئی تھی۔

”باہر سے فوزان کے رونے کی آواز کانوں میں گونجی۔ اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

”آ۔۔۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔“ شہباز حیدر کو سامنے دیکھ کر ایک لمحے کو شیشائی تھی۔ وہ فوزان کو اٹھائے ہوئے دیکھے۔

”فوزی میری جان۔۔۔“ وہ فوراً آگے بڑھی تھی۔

”کیا ہوا ہے۔۔۔؟ یہ رو کیوں رہا ہے؟“ وہ شہباز حیدر کے تاثرات نظر انداز کیے پریشانی سے گویا تھی، شہباز حیدر نے سلگتی نظروں سے عیشہ واجد کو دیکھا۔

”ماما پاس جانا ہے۔۔۔“ اسے دیکھ کر وہ مزید ہلکا۔

”سنجھا لو اسے۔۔۔ دو گھنٹوں سے اس نے میرا سر کھایا ہوا ہے۔۔۔“ اس کو مزید ہلکا کر عیشہ کی طرف بازو بڑھائے دیکھ کر ان کا پارہ ایک دم ہائی ہوا تھا۔

عیشہ واجد نے بغور شہباز حیدر کو دیکھا، کمرے کی ہلکی



کھڑی اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا جو اس کی زندگی کو کسی نئے احساس سے آشنا کرنے کے درپے تھی۔ اس کی آنکھوں کی خفگی میں صاف دکھائی دیتا جذبہ اور لہجے کی خفگی میں ڈولتا ابھرتا ”استحقاق“ کا احساس انہیں ساکن کر گیا۔

”میرے کس عمل سے اس لڑکی کو اتنی ہمت ملی ہے کہ آج یہ میرے سامنے کھڑی ہے۔۔۔“ وہ حیران تھے۔ اسی لیے تو وہ اس سے پہلو تہی کی روش اختیار کر رہے تھے، مگر اب احساس ہو رہا تھا، ان کی یہ روش اس لڑکی کو اور ہی شہدہ دے گئی ہے۔ یہ لڑکی ان کی راہ میں چٹان کی طرح ان کو شکست دینے کو کھڑی ہے اوپر سے فوزان کی حد سے زیادہ ایجنٹ۔۔۔ وہ اس وقت پر پچھتائے جب فوزان کی پیدائش کے بعد اپنے غم میں نڈھال انہوں نے سارے اختیارات عیشہ واجد کو دے دیے تھے اور پھر اس لڑکی کو اتنی ہمت ملی کہ آج وہ ان کے سامنے کھڑی یہ پوچھ رہی تھی۔ وہ بغیر جواب دیے ملتے تھے جب پیچھے سے وہ کہنے لگی۔

”مجھے آپ گے رویے کی سمجھ نہیں آرہی کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔۔۔ میرا کوئی قصور ہے تو مجھے بتائیں۔۔۔ مجھے اور فوزی کو اس طرح تکلیف دے کر آخر آپ کیا باور کرانا چاہتے ہیں۔“ وہ رکی تھی۔ فوزان کو بستر پر لیٹنے کا اشارہ کر کے کرسی پر پڑی چادر اوڑھ کر وہ اب کمرے سے نکل کر شہباز حیدر کے سامنے آرکی تھی۔

”چلیں میں آپ کا یہ رویہ نظر انداز کرتی جا رہی ہوں۔۔۔ مگر کب تک۔۔۔ اب تو گھر والے بھی متوجہ ہونے لگ گئے ہیں۔۔۔ دادی جان بھی کئی بار پوچھ چکی ہیں کہ فوزی میری بجائے اب آپ کے پاس کیوں ہوتا ہے۔۔۔ یا میں اکتانگی ہوں اس کی ذمہ داری سے۔۔۔“

شہباز حیدر کا خیال تھا کہ اس کے اس رد عمل سے وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی، مگر اس وقت وہ ان کے

روشنی سیدھی شہباز حیدر کے چہرے کے تاثرات کو آشکار کر رہی تھی۔ انتہائی بیزاری، کوفت، ناگواری کے تاثرات صاف پڑھے جاسکتے تھے، انہوں نے فوراً ان کو اس کی طرف بڑھایا تو اس نے بھی جلدی سے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

”میری جان، میرا فوزی۔۔۔ میرے پاس آنا تھا۔۔۔“ اسے پچکارتے خاموش کرواتے اس نے نیچے لکھڑکھڑایا، پھر اس کا سر اپنے ساتھ لگایا تھا، اس کے پاس آتے ہی فوراً فوزان بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

”یہ روکیوں رہا تھا۔۔۔؟“ شہباز حیدر واپس پلٹے۔ جب اس نے پوچھا تو اس نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھ کر ہلکی مدھم روشنی میں کھلے بالوں، بغیر دوپٹے کے ڈھیلے ڈھالے سر اپنے میں نمایاں ہوتا اس کا سفید دودھیا چہرہ بالوں کی لٹوں میں ایک لمحے کو انھیں، اس پر کسی گزرے لمحے کا گمان ہوا تھا، اس وقت وہ ان کو بالکل وریشہ طرح لگی تھی۔ وہی ہونٹوں کا کٹھنلا پن، لمبی پلکوں کی جھلرتلے چھپی آنکھوں کی جھیل سی گہرائی میں موجزن طوفان۔۔۔ دودھیا رخساروں کی چمکتی چاندنی میں ہلکورے لیتا احساس پشت پر بکھرا گئے بالوں کا آبخار ایک لمحے کو انہیں بھی کسی طوفان سے آشنا کر گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ سنبھل کر نظریں چرا گئے تھے۔ وہ عیشہ واجد تھی، وریشہ نہیں تھی۔

”تمہارے پاس آنے کی ضد کر رہا تھا۔۔۔“ ہونٹوں کو دانتوں تلے سختی سے دبا کر انہوں نے اپنے کسی احساس سے نظر چرا کر کہا تو وہ تڑپ اٹھی۔۔۔ کتنا ظلم کر رہے تھے بچے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی۔۔۔

”تو لے آتے۔۔۔ آپ اسے مجھ سے کیوں دور کر رہے ہیں۔۔۔ ایسی بھی کیا خطا ہو گئی ہے مجھ سے کہ آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں۔“ کئی دنوں کا شکوہ اس کے لبوں پر چل گیا۔ کچھ خفگی، کچھ ناراضگی اور بے پناہ استحقاق ہے۔۔۔ وہ کہہ رہی تھی۔ شہباز حیدر نے چونک کر انتہائی تعجب سے اپنے سامنے

سامنے کھڑی جس انداز میں باز پرس کر رہی تھی، ان کا جی چاہا کہ وہ بھیج کر طمانچہ اس کے منہ پر رسید کر دیں۔ یعنی الٹا چور کو توال کو ڈانٹے۔۔۔ ان کے اندر کا آتش فشاں ایک دم پھٹا تھا۔

”تم بچی نہیں ہو کہ میرے ان رویوں کو سمجھ نہ پاؤ۔۔۔ یہ سوال مجھ سے نہیں اپنے آپ سے کرو تو بہتر ہے۔۔۔“ وہ پلٹے تھے، پھر اسے ہکا بکا دیکھ کر رک گئے۔

”اور ہاں! اپنا موازنہ کرتے ہوئے یہ مت بھولنا کہ رشتے میں تم میری بیٹی ہی نہیں میں تمہارا چھوٹا بھائی لگتا ہوں۔۔۔ اور ہمارے درمیان تیرہ سالوں کا اتج ڈیفرنس ہے۔۔۔ پاگل احمق لڑکی۔۔۔“ دانت پیستے، کھا جانے والی نظروں سے لتاڑتے اسے اپنی جگہ پر ساکن کر کے آگے بڑھ گئے تھے۔ وہ حیرت سے گنگ۔ ان کی چوڑی پشت کو دیکھے گئی، ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔

”تو۔۔۔“ وہ لڑکھرائی۔ تو اسی لیے یہ میرے ساتھ سلوک کر رہے تھے۔۔۔ مگر میرے کس رویے سے انہیں یہ محسوس ہوا کہ میں۔۔۔ میں۔۔۔“

”ماما آجائیں۔۔۔ نیند آئی ہے۔۔۔“ وہ نجانے کیا سوچتی فوزان کی آواز اسے ہوش کی دنیا میں گھسیڈ لائی۔ عیشہ کو اپنا پورا وجود کا نپٹا محسوس ہوا۔ وہ لرز لرز ٹانگوں سمیٹ دروازہ بند کر کے بستر پر آئی تھی، فوزان بستر پر لیٹا ہوا تھا، وہ لیٹی تو اس کے ساتھ چمٹ کر اپنی

گیا، عیشہ واجد نے اک بے چارگی سے اسے دیکھا اس بچے نے نجانے اس کو کن کن احساسات سے دوچار کیا تھا۔ اس کے اندر نجانے کیسے کیسے طوفان برپا کیے تھے۔ اس کے جذبوں کو کیسی ہوا دی تھی۔ کیسے پھول کھلائے تھے۔۔۔ عیشہ کی آنکھوں میں نمی آٹھری۔ اس کی پیشانی چومتے، بالوں میں انگلیاں پھیرتے اسے بغور دیکھا۔ اس اک نظر نے اس کے وجود میں اک طوفان برپا کر دیا، دل کی دھڑکن کا کوئی اندازہ نہ تھا،

عیشہ واجد کو ایک پل کو ہی گمان گزرا کہ اس کے پہلو میں فوزان نہیں بلکہ شہباز حیدر ہے۔۔۔ اسی خیال نے اس کے انگ انگ میں کپکپی دوڑا دی تھی۔

”مجھے آپ کے بغیر نیند نہیں آتی۔۔۔ پاپا نے بہت ڈانٹا تھا۔۔۔ تھپڑ بھی مارا۔۔۔ کہتے تھے کہ میں ان کے پاس سویا کروں۔۔۔ آپ گندی ہیں۔۔۔“ بچے تو معصوم ہوتے ہیں، جو سنتے ہیں بلاوجہ سوچنے سمجھنے کہہ دیتے ہیں، وہ منہ بسور کر بتا رہا تھا۔ وہ بغیر پلکیں جھپکائے حیرت و دکھ سے دیکھے گئی۔

”یہ پاپا نے کہا تھا۔۔۔؟“ اس نے ”گندی“ کے لفظ پر بے یقینی سے پوچھا، اس نے سر اثبات سے ہلایا تو وہ بے بسی سے ہونٹ چل کر رہ گئی۔

”پاپا کہہ رہے تھے کہ آپ میری ماما نہیں ہیں۔۔۔ آپی ہیں۔۔۔ میں آپ کو آپی کہا کروں۔۔۔“ بچے اس کائنات کا سب سے بڑا سچ ہوتے ہیں، اپنی معصومیت سے وہ مزید بتا رہا تھا۔

”پاپا یہ بھی کہتے ہیں کہ مجھے آپ کے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ آپ سے دور رہا کروں۔۔۔ پاپا کے پاس سویا کروں، ان کے ہاتھ سے کھانا کھایا کروں۔۔۔ وہ مجھے ہوم ورک بھی کروایا کریں گے۔۔۔ پارکس اور پلے گراؤنڈ بھی لے کر جایا کریں گے۔۔۔“ وہ اور بھی بہت کچھ بتا رہا تھا، عیشہ واجد نے خاموشی سے اس کی پیشانی پر اپنی تھوڑی ٹکا کر اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

”اچھا نہیں کر رہے شہباز حیدر آپ۔۔۔ چھوٹے سے بچے کے دماغ میں آپ اس طرح کی باتیں بٹھا کر نجانے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ فوزان سے میری یہ محبت بے غرض اور بے لوث ہے، یہ تو اس وجود کا احساس ہے کہ آج میرے دل میں وہ سارے جذبے نیپ رہے ہیں جو بھی میرے اور شاہد اب آپ کے نزدیک باعث گناہ ہیں۔۔۔“ فوزان کے بالوں میں خاموشی سے انگلیاں پھیرتی رہی۔

”ماما۔۔“ آنکھیں بند کرتے اس نے پکارا تو اس نے
اس کو دیکھا۔
”ہوں۔۔“

”ماما۔۔“ آپ بابا کے پاس کمرے میں کیوں نہیں
رہتیں۔۔ عدیل کی ماما چاچو کے ساتھ رہتی ہیں، پھر
آپ یہاں نیچے کیوں رہتی ہیں۔۔ مجھے نہیں پتا بس
آپ اور پاپا اکٹھے رہا کریں۔۔“ وہ انتہائی بھولپن
اس کے وجود میں آگ لگا گیا تھا، وہ بے یقینی سے دیکھ
گئی۔

”چپ۔۔“ اس نے سختی سے اس کے منہ پر انگلی رکھ
دی۔

”خبردار تم نے آئندہ ایسی بات کی تو۔۔ تمہارے بابا
میری جان نکال دیں گے۔۔“ ایک دم خوف سے ڈر کر
اس نے فوزان کو ڈپٹ دیا، دل کی دھڑکن حد سے
سواہی۔

”مگر میں نے آج پاپا سے کہا تھا وہ آپ کو اپنے کمرے
میں لے کر آئیں۔۔ انہوں نے اتنی زور سے پھڑپھڑا
تھا۔۔ بس مجھے نہیں پتا آپ پاپا کے ساتھ
رہیں۔۔ پھر آپ دونوں کے ساتھ سویا کروں
گا۔۔ پاپا کے ساتھ اکیلے سوتے ڈر لگتا ہے۔۔“ وہ منہ
بسورتے رہا تھا، عیشہ نے دہل کر اس کی معصوم صورت
دیکھی۔ ہر نقش شہباز حیدر کا چڑایا ہوا تھا۔

”تم نے اپنے پاپا سے یہ سب کہا تھا۔۔؟“ اس نے
بے یقینی سے دہرایا تو اس نے گردن زور سے ہلائی۔

”پاپا نے سختی سے ڈانٹ دیا تھا۔۔ وہ کہتے ہیں میری ماما
”اللہ جی“ کے پاس چلی گئی ہیں، آپ صرف میری آپنی
ہیں۔۔“ وہ اسے دیکھے گئی، بھلا چھوٹے بچے سے یہ
باتیں کرنے والی تھیں۔ شہباز حیدر کو ذرا بھی احساس
نہیں تھا کہ ان کے اس طرز عمل سے ان کے بیٹے کی
شخصیت میں کتنا بڑا خلا پیدا ہو سکتا ہے۔ ماں سے محرومی
کا خلا۔۔ جو اس نے کبھی ہونے نہیں دیا۔

”ماما۔۔ پاپا بچ کہتے ہیں۔۔ واقعی آپ میری ماما نہیں

ہیں۔۔؟“ وہ پوچھ رہا تھا، عیشہ کا دل کانپ کر رہ گیا،
اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ کتنی تلخ حقیقت تھی مگر سچ
تھی۔ وہ جسے ماما کہتا ہے، وہ اس کی ماں نہ تھی، جبکہ
وریشہ اس کی سگی ماں تھی، جو اس کو جنم دینے کا سبب بنی
تھی مگر پالا تو اس نے تھا۔ پیدا ہوتے ہی وہ اس کی ذمہ
داری بن گیا تھا، پھر اتنے سالوں تک اس کی گود اس کی
ممتا کی تسکین بنتی رہی تھی، اس نے اسے کبھی ماں کی کمی
محسوس ہی نہ ہونے دی تھی اور وہی دور تھا، جب فوزان
کو سنبھالتے اسے پروان چڑھاتے اس کے اندر کے
الہر، کم عمر جذبوں کو ایک نام ملا تھا۔ شہباز حیدر کا
نام۔۔ وہ خود سے ہی ڈرنے لگی تھی، اپنی انہونی
خواہشوں سے منہ چھپانے لگی تھی، اور پھر جب فوزان
نے بولنا شروع کیا تھا، تو اس کی زبان سے لفظ ”ماما“
نکلا تھا، اور وہ نہال ہو گئی تھی، کم عمری کے جذبے، کم
عمری کی محبت اور بھرپور محبت کا احساس نبھانے کیوں
سے لگنے لگا کہ وہ واقعی فوزان کی ماما ہے۔ شروع میں
سب ہی چونکے تھے، فوزان کے منہ سے یہ نام سن کر
ہنکر وہ بچہ تھا، نہ اسے کوئی سمجھ تھی نہ پوچھ۔۔ سب کا
خیال تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ جب رشتوں کو جاننے
اور سمجھنے لگے گا تو خود بخود وہ اس نام کو ترک کر دے گا۔
اور پھر وقت گزرتا چلا گیا، اور اس کی ماما کہنے کی عادت
پختہ ہوتی چلی گئی۔ کسی کو بھی اسے ٹوکنے یا اصل حقیقت
بتانے کا دھیان نہ رہا۔ وریشہ کے بعد شہباز حیدر نے
اپنے آپ کو کاروباری جھمیلوں میں اس قدر گم کر لیا کہ
بچے کی طرف سے بھی غافل ہوتا چلا گیا۔ نانی، دادی،
پچی اور سب سے بڑھ کر عیشہ اس کا خیال رکھنے والی
تھیں، وہ مطمئن ولا پرواہ ہوتا چلا گیا۔ کانچ سے آنے
کے بعد عیشہ کی زندگی کا محور فوزان ہوتا تھا۔ اس کے
چھوٹے چھوٹے کام وہ بہت محبت سے کرتی تھی، وہ
شروع سے ہی اس کے پاس سوتا تھا، اور پھر یہ عادت
اتنی پختہ ہوئی کہ وہ کسی اور کے پاس ایک رات بھی نہیں
سو پاتا تھا۔ یہ تو کچھ دنوں پہلے کی بات تھی یا شاید ایک

ماہ سے یہ سب چل رہا تھا، غیر محسوس طریقے سے شہباز۔ آپ اس کا حق بھی مجھ سے چھین رہے ہیں۔۔۔ یہ حیدر فوزان کو اس سے دور کرنے کی کوشش میں تھے، وہ فوزی۔۔۔ اس نے بھرائی آنکھوں سے معصوم صورت جورات گئے گھر لوٹتے تھے، اب سرے شام ہی گھر میں کود دیکھا۔

ہوتے تھے۔ فوزان کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے، اس کی بغیر میں مر جاؤں گی۔۔۔ میں نے بن ماں کے کبھی باہر گھومنے لے جاتے اور کبھی کسی کھانے کی چیز زندگی گزار رہی ہے۔۔۔ مجھے پتا ہے جب ماں کا سایہ میسر کا لالچ دے کر۔۔۔ وہ بچہ تھا، بہل بھی گیا تھا، مگر کب نہ آئے تو زندگی میں کیسا خلا بھرتا ہے، میں نے تو اس تھا۔۔۔ عیشہ خاموشی سے نہ صرف دیکھ رہی تھی بلکہ اچھی خیال سے اس بن ماں کے بچے کو اپنا بنایا تھا لیکن کیا پتہ طرح محسوس بھی کر رہی تھی، وہ شہباز حیدر سے کچھ نہیں تھا کہ یہ دل ہی بغاوت کر جائے گا۔ اس معصوم صورت کہہ سکتی تھی، ایک دودھ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی، میرے اندر کے خلا کو آپ کا عکس دیا تھا، اور اب بھی تو شہباز حیدر کا رویہ اس کے ساتھ انتہائی تنگ آ میز۔ جبکہ میں اس مقام پر آچکی ہوں جہاں واپس پلٹنا، روکھا پھیکا اور سرد ہو جاتا تھا۔ وہ اسے مسلسل انگوٹھ میرے لیے موت ہے تو آپ کا یہ طرز عمل میری جان کر رہے تھے، عیشہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی، صرف چپ کا لٹنے کو کافی ہے۔۔۔ آپ کے تیور دیکھتے ہوئے اتنے

تھی، وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں، اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی، وہ سارا دن ترس جاتی تھی، فوزان کیلئے۔۔۔ اس کی پیاری پیاری باتوں، معصوم شرارتوں کیلئے وہ صرف رات کو اس کے پاس آتا تھا، وہ بھی صرف سونے کیلئے اور آج رات وہ اس کے پاس نہیں آیا تھا، آج شہباز حیدر فوزان کو پارک میں لے کر گئے تھے، رات گئے لوٹے تھے، وہ انتظار کرتی رہی تھی کہ گھر آنے کے بعد وہ فوزان کو اس کے پاس چھوڑ جائیں گے مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا۔ کتنی دکھی ہوئی تھی، فوزان کو اپنے ساتھ چمٹا کر سونے کی عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اس کے بغیر سونے کا تصور ہی سو ہاں روح تھا مگر اب جب کہ وہ خود کو سونے پر مجبور کر چکی تھی بلکہ سو بھی چکی تھی تو شہباز

حیدر فوزان کو اس کے پاس چھوڑ گئے تھے، مگر ان کا رویہ۔۔۔ وہ کٹ کر رہ گئی تھی۔ اس نے ہونٹ کاٹتے اسے دیکھا، وہ اس کے سینے پر سر رکھے گہری نیند میں تھا، وہ خاموشی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔

☆☆☆

ان کی باتیں اور اب فوزان کی باتیں۔۔۔ وہ کٹ کر رہ گئی تھی۔ اس نے ہونٹ کاٹتے اسے دیکھا، وہ اس کے سینے پر سر رکھے گہری نیند میں تھا، وہ خاموشی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔

”اچھا نہیں کر رہے آپ میرے ساتھ۔۔۔ میں نے تو آپ سے کچھ بھی نہیں مانگا اور نہ ہی مانگوں گی۔۔۔ صرف خاموش محبت ہی تو آپ سے کر رہی تھی۔۔۔ اور اب

صاحب کا اور دوسرا حیدر صاحب کا۔۔۔ عبد اللہ صاحب کے دو بچے تھے، بیٹا واجد عبد اللہ اور بیٹی وریشہ عبد اللہ جو کہ واجد سے کئی سال بعد بڑی منتوں مرادوں سے پیدا

زیادہ تر وریشہ کے زیر اثر رہتے ہوئے اس کے اندر اس جیسی عادات و اطوار پیدا ہو گئی تھیں۔ اس نے بہت خاموشی سے انتہائی خلوص و توجہ سے فوزان کو سنبھال لیا تھا۔ کالج سے آنے کے بعد وہ سارا وقت فوزان کے چھوٹے موٹے کاموں میں صرف کر دیتی تھی، وہ ماں سے محرومی کے احساس سے واقف تھی، جس طرح اس کی ماں کے انتقال کے بعد دادی، پھوپھی نے سنبھال لیا تھا، اسی طرح اس نے فوزان کو سمیٹ لیا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھی سنبھل گئے تھے، فوزان عیشہ سے حد سے زیادہ اٹیچ ہو چکا تھا، کسی کو بھی احساس نہ تھا کہ آنے والے وقت میں یہ انچنٹ کوئی اور رنگ بھی اختیار کر سکتی تھی، شہباز حیدر فوزان کو عیشہ کی ذمہ داری سمجھ کر لا پرواہ ہوتے چلے گئے۔ اور وہی دور تھا جب اس کے اندر نئے نئے جذبات انگڑائیاں لے کر بیدار ہوتے چلے گئے تھے، اس نے خود کو روکنے کی، باز کھنے کی کوشش کی مگر دل ناداں کب تک سمجھتا ہے اور پھر اس نے دل کے سامنے ہار مان لی۔ ایف ایس سی کے بعد بی ایس سی اور اب وہ ایم ایس سی کیلئے یونیورسٹی ایڈمیشن لے چکی تھی، یونیورسٹی میں اس کا آخری سال تھا، وہ اپنی پڑھائی میں بڑی سنجیدہ تھی اور کسی کے سامنے دل کا درد آشکار نہیں ہونے دیتا تھا مگر گزشتہ ایک ماہ سے شہباز حیدر کو نجانے کیسے اس کے جذبوں سے آگاہی ہو گئی تھی، اور پھر انہوں نے حفاظتی اقدامات بھی کرنے شروع کر دیے تھے، رات جو بھی ہوا تھا اس کا یہی نتیجہ تھا، ساری رات سوچنے کے بعد اس نے شہباز حیدر سے آریا پار کا فیصلہ کیا تھا۔ شہباز حیدر کا فوزان کے سلسلے میں یہ رویہ اس کیلئے برداشت کرنا ناممکن تھا۔ صبح اس نے یونیورسٹی سے آف کرنے کا سوچا تھا۔ قیوم چچا کی بیگم مہوش کالج میں لیکچرار تھیں، قیوم چچا سرکاری جاب کرتے تھے، اسی لیے ان کے دونوں بچے اور فوزان سب اکٹھے ہی صبح ان کے ساتھ سکول کیلئے نکلتے تھے، واپسی پر عبد اللہ صاحب

ہوئی تھی، حیدر صاحب کے دو بیٹے شہباز حیدر اور قیوم حیدر تھے، تین بیٹیاں فارحہ، مہوش اور سونیا۔۔۔ تینوں بڑی تھیں، پھر شہباز تھے، شہباز اور وریشہ ہم عمر تھے، جبکہ قیوم سب سے چھوٹا تھا۔ واجد عبد اللہ کی شادی سگی خالہ زاد سے ہوئی تھی مگر چند سالوں بعد گردوں کی تکلیف کی وجہ سے انتقال کر گئیں، اس وقت عیشہ چار سال کی تھی، اس دوران حیدر صاحب بڑی تینوں بیٹیوں کی شادی کر چکے تھے، اب کی بار عبد اللہ صاحب نے چار سال بعد دوبارہ واجد صاحب کا گھر بسایا تھا، عفیقہ ان کے دوست کی بیٹی تھی، وہ جوائنٹ فیمیلی سسٹم کی عادی نہ تھیں، دو بچوں کی پیدائش تک صبر کر کے انہوں نے یہ سب برداشت کیا تھا، لیکن پھر واجد صاحب سے علیحدہ گھر کا مطالبہ کر دیا تھا، گھر کی فضا عجیب سی ہو گئی تھی، عبد اللہ صاحب سمجھدار تھے، خاموشی سے بیٹے کو علیحدہ جگہ لے کر الگ کر دیا تھا، واجد صاحب اس پر راضی نہ تھے مگر بیوی اور باپ کے سامنے ایک نہ چل سکتی تھی، عیشہ اس وقت کافی سمجھدار تھی، پھر ماں سے محرومی، سوتیلی ماں کے ساتھ نے اسے وقت سے پہلے ہی کافی میچور کر دیا تھا، وہ باپ کے ساتھ علیحدہ گھر میں نہیں گئی تھی، یہیں رہ گئی تھی۔ عیشہ وریشہ سے بہت محبت تھی اور یہی حال وریشہ کا بھی تھا۔ ان دونوں کے فرق کے باوجود دونوں دوستوں کی طرح ہوتی تھیں، وریشہ اور شہباز دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے، خاندان کی بات تھی، سودوں کی بات بھی ملے ہو گئی تھی، عیشہ آٹھویں کلاس میں تھی جب کہ وریشہ کی شہباز سے شادی ہوئی تھی، مگر بد قسمتی سے وریشہ شادی کے تین سال بعد ہی فوزان کی پیدائش پر انتقال کر گئی تھی، پورے خاندان پر ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، وریشہ کی جواں مرگ کا صدمہ ہی ایسا جان لیوا تھا کہ کتنے ماہ تک کوئی بھی نہ سنبھل پایا تھا، شہباز حیدر تو ایک طرف باقی سب بھی نڈھال تھے۔ عیشہ جو وریشہ سے نہ صرف شکل و صورت میں مشابہت رکھتی تھی بلکہ

بچوں کو لے کر آتے تھے، فوزان عدیل اور رشاء ایک۔۔۔ بال سلجھا رہے تھے، گہرے کوٹ سوٹ میں اپنی ہی سکول میں پڑھتے تھے۔ عبداللہ صاحب اور حیدر پوسٹ پر سنائی سمیت بہت بارعب اور پروتار لگ صاحب لکڑی کا کاروبار کرتے تھے، لکڑی خرید کر آگے۔۔۔ ان کی شخصیت کی وجہ سے دیکھنے کے قابل فروخت کرنا ان کا کام تھا، جو رفتہ رفتہ اب کافی وسیع ہو چکی تھی، شاید اسی لیے وہ اپنے جذبوں پر قابو نہ کر پائی تھی، گیا تھا، واجد کے علیحدہ ہونے پر انہوں نے اس کے آفس کی تیاری کی تھی، اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ حصے کا کاروبار بھی علیحدہ کر دیا تھا، جبکہ وریشہ کا حصہ۔۔۔ کران کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے، رات کا واقعہ ذہن انہوں نے شہباز کے حوالے کر دیا تھا، اب حیدر کی سطح پر ایک دم تازہ ہوا۔ غصے سے نیبل پر برش پٹخ صاحب اور عبداللہ صاحب کا سارا کام حیدر اور شہباز کیا۔

ہی چلا رہے تھے، وقت کے ساتھ ساتھ گھر میں خوشحالی آ رہی تھی۔۔۔ چھن چھن۔۔۔ پر فیوم کی شیشی نیچے گر کر ٹوٹی تھی، چکی تھی، قیوم انجینئر تھے، وہ گورنمنٹ کے ادارے میں پورا کمرہ Posion کی تیز خوشبو سے نہا گیا تھا، عیشہ اچھی پوسٹ پر کام کر رہے تھے، واجد صاحب کے ان۔۔۔ ان کے تیور دیکھ کر دہل گئی، رات وہ جو آریا پار کرنے کا دوسری بیوی سے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، وہ ہر دوسرے فیصلہ کیا تھا، ساری ہمت دم توڑ گئی، مرے قدموں سے دن عیشہ سے ملنے آتے رہتے تھے۔ عیشہ اپنے کمرے کو سمیٹ کر پکچن میں آئی تو چچی جان چیزیں سمیٹ رہی تھیں، اسے آج اسی حلیے میں دیکھ کر کہیں۔۔۔

”تم یونیورسٹی نہیں گئی۔۔۔؟“
”نہیں۔۔۔“ وہ کھانے پینے کو فریج کا جائزہ لینے لگ گئی

”ہٹو میں پراٹھا بنا دیتی ہوں۔۔۔“ اسے چولہا جلاتے
دیکھ کر انہوں نے ٹوک دیا۔

”نہیں رہنے دیں۔۔۔ میں صرف سلاکس تلوں
گی۔۔۔ دادا جان اور دادی جان نے ناشتہ کر لیا ہے۔۔۔؟“

”ہوں۔۔۔ سب نے ہی کر لیا ہے، صرف شہباز رہتا
ہے، اس ک لیے یہ ٹرے تیار کی ہے۔۔۔“ انہوں نے
نیبل پر رکھی ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔

”لاؤ میں تل دیتی ہوں، تم شہباز کو یہ ٹرے دے
آؤ۔۔۔“ انہوں نے اسے پیچھے ہٹا دیا تھا، شہباز حیدر
کے نام پر اس کا دل دھڑکا تھا، تاہم وہ خود کو سنبھالتی
دوپٹہ درست کرتے ٹرے اٹھا کر اوپر چلی آئی۔ دروازہ
نیم وا تھا، دونوں ہاتھوں سے ٹرے تھامے وہ بغیر دستک
دیے اندر داخل ہو گئی تھی، وہ آئینے کے سامنے کھڑے

”جی۔۔۔ اچھا۔۔۔“ شکوہ کناں نظروں سے دیکھتے اس
نے سعادت مندی سے سر جھکا لیا، وہ ان کی اس قدر پر
رعب، باوقار پر سنائی کے سامنے خود کو خاصا بے بس
محسوس کرتی تھی، ان کا رعب ہی ایسا تھا مگر دل کا
کیا کرتی۔۔۔ وہ اٹنے قدموں سے پلٹی تھی، ذرا سا
سامنا ہونے سے ہی ٹانگیں لرزنے لگ گئی تھیں، اگر
ساری زندگی۔۔۔ اس کا دل اسے اس طرز عمل پر احتجاج
کرنے کو اکسانے لگ گیا تھا، دل و دماغ اس کے
خوف کے سامنے ایک دم ڈٹ گئے تھے، نکلنے سے پہلے
وہ پلٹی تھی۔

”وہ۔۔۔ وہ مجھے آپ سے۔۔۔ بہت ضروری بات کرنی گھورا۔ اور تم کو کوئی حق نہیں کہ میرے ذاتی معاملات سے۔۔۔“ وہ ہمت کر کے یہ الفاظ کہہ پائی تھی، سر اٹھا کر۔۔۔ میں دخل اندازی کرو۔۔۔ فوزان کے حقوق ادا کرنے کو ان کو دیکھا مگر۔۔۔ اُف اللہ۔۔۔ ان کی آنکھوں سے ابھی اس کا باپ زندہ ہے۔۔۔“

انگارے برس رہے تھے، اس نے بے اختیار اپنے دل کی دھڑکن کا کچھ لے کر اب تک آپ نے کون سے حقوق نبھائے ہیں اس کیلئے۔۔۔ اور اب ایک ماہ سے آپ کو پتہ چل گیا ہے اندازہ ہی نہ تھا۔

”مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔۔۔“ انتہائی کرخنگی سے انکار ہوا تھا، وہ ڈبڈبائی آنکھوں سمیت انہیں دیکھے بھی سر اٹھا رہا تھا، بغیر کچھ سوچے سمجھے اس نے کہہ دیا۔

گئی۔ کبھی وہ اس کیلئے بڑے مہربان ہوا کرتے تھے ”عیشہ! تم حد سے بڑھ رہی ہو۔۔۔“ عیشہ کی اس بدتمیزی مگر اب۔۔۔

”مجھے فوزان کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔۔۔“ اپنے رخسار پر بہہ جانے والے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کرتے اس نے خود کو مضبوط کیا، اس خیال سے کہ زیادہ سے زیادہ چیخ کر چلا کر اپنا غصہ نکال لیں گے،

جان سے تو مارنے سے رہے۔۔۔ وجہ سے آپ کے سامنے ہوں۔۔۔ ورنہ حد سے بڑھنا کیا ہوتا ہے آپ کیا جانیں۔“ ایک لمحے کو ایسے خود بھی حیرت ہوئی کہ وہ بغیر ہچکچائے یہ سب کہہ رہی تھی۔

”عیشہ۔۔۔“ انہوں نے بری طرح ٹوک دیا۔ بہتر سمجھتا ہوں۔۔۔ اس سلسلے میں تم کو جو رعایت مل چکی ہے، اس کو غنیمت جانو تو بہتر

ہے۔۔۔ ورنہ۔۔۔“ اپنا بریف کیس کھول کر بستر پر بٹھ کر اس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

”گستاخی معاف! مجھے رشتوں کا ادب و لحاظ آپ سے زیادہ پتہ ہے، میں تو صرف آپ کو کہہ رہی ہوں کہ فوزان کے معاملے میں آپ کی کسی بھی پابندی کو خاطر

بننے کے صرف بگڑے گی، اس کا ذہن دو حصوں میں تقسیم نہیں لاؤں گی۔۔۔ آپ کو تو اس معصوم پر ذرا بھی بٹ رہا ہے، آپ کی باتیں اور توجہ اس کے اندر کئی سوال و جواب کے دروازے کھول رہے ہیں، مگر آپ کہہ رہے ہیں تو یہ رشتوں کا ادب و لحاظ ہی ہے۔۔۔ آپ کے اس

کیا۔۔۔ آپ تو اسے صرف مجھ سے دور کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ وہ سارا دن مختلف سرگرمیوں میں الجھ کر بہل

اور بس۔۔۔“ تمام خوف بالائے طاق رکھے اس نے کہا تو شہباز حیدر نے غصے سے ٹوک دیا۔ وہ ایک دم

”شٹ اپ۔۔۔“ تمام خوف بالائے طاق رکھے اس نے کہا تو شہباز حیدر نے غصے سے ٹوک دیا۔ وہ ایک دم

نے کہا تو شہباز حیدر نے غصے سے ٹوک دیا۔ وہ ایک دم

”فوزان کا اچھا یا برا تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔۔۔“

”بریف کیس سختی سے بند کر کے انہوں نے

ہاتھ جڑ دے مگر ضبط کیے غصے سے کہا۔ عیشہ کا دل فوزان کے معاملے میں پھر دکھی ہو گیا۔

”میں آپ سے تو کچھ نہیں چاہ رہی۔۔۔ کبھی آپ نے میری زبان سے کوئی غلط لفظ سنا ہے۔۔۔ بے فکر رہیے۔۔۔ کبھی آپ کی پریشانی کا سبب نہیں بنوں گی، بس فوزان کو میرے پاس رہنے دیں۔۔۔ وہ پیدا ہونے کے بعد میرے پاس آیا تھا۔ اتنے سال میں وہ مجھے اپنے جسم کا حصہ لگنے لگا ہے، ورثہ پھوپھو زندہ ہوتیں تو شاید وہ بھی اسے اتنی محبت نہ دے پاتیں جتنی میں نے دینے کی کوشش کی ہے، ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل اس کیلئے اپنا آپ۔۔۔ بنا کسی غرض یا لالچ کے۔۔۔ اور اب آپ اسے مجھ سے جدا کر رہے ہیں۔۔۔ جان بوجھ کر۔۔۔ صرف اور صرف انتقاماً۔۔۔“ وہ اس کے سامنے کھڑی رو رہی تھی، شہباز حیدر کیلئے خود پر ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ اس وقت وہ ہو بہو وریشہ کی طرح لگ رہی تھی، کتنی مماثلت تھی دونوں میں۔

”میں یہ سب کچھ جان بوجھ کر یا انتقاماً نہیں کر رہا۔۔۔ میرے اس رویے کی وجہ مجھ سے بہتر تم خود جانتی ہو۔۔۔ انتقاماً۔۔۔“ دانت پیستے انہوں نے باور کروایا، وہ کٹ سی گئی، ان سے نظریں چرا گئی، انہیں مزید غصہ آیا۔ عیشہ کا غیر معمولی سلوک وہ بہت عرصے سے محسوس کر رہے تھے، مگر گزشتہ ایک سال سے انہیں محسوس ہونے لگا تھا کہ عیشہ کا نارمل رویہ اب ان کیلئے نارمل نہیں رہا۔۔۔ ان کے سامنے آنے سے کتراتا، ایک دم سامنا ہو جانے پر گھبرانا۔۔۔ الٹی سیدھی حرکتیں کرنا، بات کرنے پر شرمانا۔۔۔ خاص طور پر اس کی نگاہوں میں اپنے لیے ایک عجیب سی دہکتی آگ محسوس کرنے لگے تھے، بہت غور کرنے پر انہیں احساس ہوا کہ وہ انہیں ”چاچو“ کہنا چھوڑ چکی ہے۔۔۔ آپ، جناب، سنئے، یہ، وہ کے الفاظ استعمال کرنے لگی تھی، انہیں خود سے مخاطب کرنا تو تقریباً چھوڑ چکی تھی، اگر کبھی بات کرنے کا موقع مل ہی جاتا تو وہ کوئی حوالہ دیتے ہوئے آپ،

یہ کے الفاظ استعمال کرتی تھی، ان کی چھٹی حس انہیں ایک عرصے سے آگاہ کر رہی تھی مگر وہ اسے اپنا وہم کہہ کر ٹال جاتے تھے، اور پھر ایک ماہ پہلے ہی کی بات تھی، فوزان کو بخار تھا، رات وہ لیٹ آئے تھے، فوزان کی طبیعت کافی خراب تھی، سارا دن امی نے بتایا تو وہ عیشہ کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ فوزان سویا ہوا تھا، عیشہ شاید باتھ روم میں تھی، وہ فوزان کی طبیعت جاننے کیلئے اس کے بستر پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگے تھے، وہ شاید اسے اتنی محبت نہ دے پاتیں جتنی میں نے دینے کی کوشش کی ہے، ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل اس کیلئے اپنا آپ۔۔۔ بنا کسی غرض یا لالچ کے۔۔۔ اور اب آپ اسے مجھ سے جدا کر رہے ہیں۔۔۔ جان بوجھ کر۔۔۔ صرف اور صرف انتقاماً۔۔۔“ وہ اس کے سامنے کھڑی رو رہی تھی، شہباز حیدر کیلئے خود پر ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ اس وقت وہ ہو بہو وریشہ کی طرح لگ رہی تھی، کتنی مماثلت تھی دونوں میں۔

”میں یہ سب کچھ جان بوجھ کر یا انتقاماً نہیں کر رہا۔۔۔ میرے اس رویے کی وجہ مجھ سے بہتر تم خود جانتی ہو۔۔۔ انتقاماً۔۔۔“ دانت پیستے انہوں نے باور کروایا، وہ کٹ سی گئی، ان سے نظریں چرا گئی، انہیں مزید غصہ آیا۔ عیشہ کا غیر معمولی سلوک وہ بہت عرصے سے محسوس کر رہے تھے، مگر گزشتہ ایک سال سے انہیں محسوس ہونے لگا تھا کہ عیشہ کا نارمل رویہ اب ان کیلئے نارمل نہیں رہا۔۔۔ ان کے سامنے آنے سے کتراتا، ایک دم سامنا ہو جانے پر گھبرانا۔۔۔ الٹی سیدھی حرکتیں کرنا، بات کرنے پر شرمانا۔۔۔ خاص طور پر اس کی نگاہوں میں اپنے لیے ایک عجیب سی دہکتی آگ محسوس کرنے لگے تھے، بہت غور کرنے پر انہیں احساس ہوا کہ وہ انہیں ”چاچو“ کہنا چھوڑ چکی ہے۔۔۔ آپ، جناب، سنئے، یہ، وہ کے الفاظ استعمال کرنے لگی تھی، انہیں خود سے مخاطب کرنا تو تقریباً چھوڑ چکی تھی، اگر کبھی بات کرنے کا موقع مل ہی جاتا تو وہ کوئی حوالہ دیتے ہوئے آپ،

جب سے تیرے نام کر دی زندگی اچھی لگی تیرا غم اچھا لگا تیری خوشی اچھی لگی تیرا چہرہ، تیری خوشبو، تیرا لہجہ، تیری بات دل کو تیری گفتگو کی سادگی اچھی لگی وہ اشعار کا انتخاب نہیں تھا، بلکہ ان کے گرد خوبصورت انداز میں چاروں جانب عیشہ شہباز حیدر کے نام کی تکرار تھی، خوبصورت پھولوں کی نیل کی صورت میں لکھے گئے نام کی تکرار ان کو کئی لمحوں تک سن کر گئی تھی، وہ عیشہ کی لکھائی ہزاروں میں پہچان سکتے تھے، وہ حیرت کے سمندر میں غرق تھے، شک تو پہلے ہی تھا، اب یقین آنے پر وہ شک میں تھے، یونہی کتاب وہیں رکھ کر اٹھ کر وہاں سے چلے آئے، ان کا دل چاہا کہ اس سے سختی سے باز پرس کریں، مگر پھر عیشہ کے

سونا ہے۔۔۔ سمجھے۔۔۔“ اب کے انہوں نے سختی سے کہا تھا مگر مجال ہے اثر ہوا ہوا، اور وہ بوکھلایا تھا۔ کیوں نہیں آسکتیں۔۔۔ عدیل کی ماما چاچو کے ساتھ جوتی ہیں۔۔۔ عدیل مجھے بتاتا ہے۔۔۔ بس آپ ماما کو لے کر آئیں۔۔۔“ وہ اس ننھے سے بچے کی باتوں پر حق دق رہ گئے، اوپر سے اس کی فرمائش۔۔۔ نہیں ایک دم غصہ آیا تھا۔

شٹ اپ۔۔۔ اس نے لاڈ اٹھا اٹھا کر تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔۔۔ آرام سے سو جاؤ۔۔۔“ غصہ تھایا پھر فوزان کی بات کا اثر تھا، سختی سے ڈپٹے انہوں نے اسے کھینچ کر پھینک مارا تھا، پھر کیا تھا۔۔۔ فوزان میاں کا فل ہو گیا تھا، وہ زچ ہوا اٹھے۔

”مجھے ماما کے پاس جانا ہے۔۔۔ ابھی جانا ہے ماما کے پاس۔۔۔ آپ گندے ہیں۔۔۔ ماما اچھی ہیں۔۔۔ میں ماما کو بتاؤں گا۔۔۔ آپ مارتے ہیں“ وہ سر تھام کر فل ولیم سے روتے اس چھوٹے سے بچے کو دیکھتے رہے مگر وہ نہیں سنبھلا تھا۔ غصے سے اٹھا کر اس کے پاس چھوڑ آئے تھے، اس وقت غصہ اس قدر تھا کہ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مقصود ہو کر رہ گئی تھیں، اسی غصے کی وجہ تھی کہ وہ جو ”پردہ قائم ہے“ یہ حجاب برقرار رہنے کیلئے سرگرداں تھے، عیشہ کو خود ہی اپنے سامنے آ کھڑے ہونے کا موقع دے گئے تھے۔ ساری رات دیکتے انگاروں پر جھلتے سلگتے گزری تھی، اور اب وہ ان کے سامنے تھے۔

”دیکھو عیشہ! تم بچی نہیں ہو کہ یہ حماقتیں سرانجام دو۔۔۔ کل کو تمہاری شادی بھی ہونی ہے۔۔۔ فوزان سے تمہاری اس قدر انچنٹ تم دونوں کیلئے ہی نقصان دہ ہے، بہتر ہے کہ تم اس سے دور رہو۔۔۔ وہ ابھی بچہ ہے، محبت سے پیار سے بہل جائے گا، مگر بعد میں شاید یہ ناممکن ہو۔۔۔“ شہباز حیدر نے اپنے آپ کو سنبھال کر غصے کو پس پشت ڈالتے قدرے رسانیت سے کہا تھا، وہ آنکھوں میں آنسو لیے شکایتی نظروں سے دیکھے گئی، وہ

انداز و اطوار گزشتہ روپوں کا اندازہ لگا کر وہ یہ سوچ کر رہ گئے کہ اگر بات کھلنے کے بعد وہ ان کے سامنے دل کی حالت بیان کر گئی تو وہ کیا کریں گے، کیسے اپنا دامن بچا پائیں گے، تب نجانے ان کا کیا رد عمل ہو۔۔۔ پھر انہوں نے خاموشی سے فوزان کو اس سے دور کرنا شروع کر دیا تھا، ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اس لڑکی کو مزید کسی حماقت سے روک سکیں گے۔۔۔ مگر یہ ان کی خام خیالی تھی، پہلے تو شاید اسے بات کھلنے کا ڈر تھا، اور اب۔۔۔ کل رات انہوں نے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر فوزان کو اپنے پاس سونے پر آمادہ کر ہی لیا تھا لیکن آدھی رات کو وہ رونا شروع ہو گیا تھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھے تھے، اس شور کے عادی نہ تھے، کچھ پریشان بھی ہو گئے۔

”کیا ہوا فوزی۔۔۔؟“
”ماما کے پاس جانا ہے۔۔۔“ روتے ہوئے فرمائش کی گئی تھی، ایک تو نیند ڈسٹرب ہو گئی تھی، دوسرا اس کی یہ الٹی فرمائش۔۔۔ انہیں غصہ آ گیا۔
”کوئی نہیں ہیں تمہاری ماما۔۔۔“ ان کے ڈانٹنے کی دیر تھی، فوزان صاحب تو حلق پھاڑ کر رونا شروع ہو گئے تھے وہ جھنجھلا اٹھے، ہر طرح سے اسے سنبھالا، پکاریاں لالچ دیا، مگر اس کی تو ایک ہی ضد تھی۔
”ماما کے پاس جانا ہے۔۔۔“ اب کے انہیں عیشہ پر غصہ آنے لگا، جو ان کی زندگی میں حد سے زیادہ دخل اندازی کر چکی تھی۔

”سنو فوزی۔۔۔ وہ سو گئی ہے۔۔۔ تم بھی سو جاؤ۔۔۔“
میرا پیارا بیٹا ہے نا۔۔۔“ انہوں نے غصہ ضبط کر لیا پکرا رہا تھا، مگر وہ بھی ڈھیٹ تھا۔
”نہیں سوؤں گا۔۔۔ آپ انہیں لے کر آئیں۔۔۔ ان کے ساتھ سوؤں گا۔۔۔“ وہ بیچارگی سے اس چھوٹے سے بچے کو دیکھتے رہ گئے تھے، وہ اس کی ضدی طبیعت کے عادی نہ تھے، پریشان ہو گئے۔
”وہ یہاں نہیں آسکتیں۔۔۔ تمہیں میرے ساتھ ہی

رخ موڑ گئے۔ اظہار کیا ہے۔۔ میں تو فوزان کی بات کر رہی ہوں

”مجھے نہیں کرنی کوئی شادی وادی۔۔ جب میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں آپ کیلئے کوئی مسئلہ نہیں بنوں گی تو پھر ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔۔ فوزان کو ”شٹ اپ۔۔“ انہوں نے اپنی مٹھی زور سے دبائی

میں نے بھی پھوپھو کا بیٹا نہیں سمجھا، بلکہ ہمیشہ اسے اپنا بھائی سمجھا ہے۔۔ اور کوئی بھی ماں اپنے بیٹے کو خود سے جدا نہیں کر سکتی۔۔“ وہ ان کے سامنے کھڑی واشگاف بہت بڑی غلطی ہوئی مجھ سے۔۔ مجھے فوزان کے الفاظ میں آنسو بہائے دل کی بات کہہ گئی تھی۔ اسی لمحے معاملے میں تم پر اتنا اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا، مجھے اپنی سے تو وہ ڈرتے تھے، وہ تاسف سے اسے دیکھتے تھے۔۔“ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا گلا دبا دیں، کیسے بے شرموں کی طرح

”کاش مجھے اندازہ ہوتا کہ تم اس حد تک بے باک ہو چکی ہو۔ تمہارے دماغ میں اس قدر خناس بھر چکا ہے تو میں یہ نوبت ہی نہ آنے دیتا۔۔ بہت پہلے ہوش کے ناخن لیتا۔۔“ انہوں نے تلملا کر کہا تو عیشہ نے تڑپ کر دیکھا، کتنی نفرت و حقارت سے وہ اسے دیکھ رہے تھے، اس کا دل کانپا۔

”ہونہہ! تم میرے لیے مسئلہ بنو گی۔ عیشہ! تم میری بات کان کھول کر سن لو۔۔ تم جو اوٹ پٹانگ خوابوں کے محل تعمیر کر رہی ہو، وہ کبھی ممکن نہیں۔۔ اگر مجھے شادی ہی کرنا ہوتی تو کب کا کر چکا ہوتا۔ اور تمہیں شرم تو نہ آئی یہ سب سوچتے ہوئے۔۔ میرے سامنے یوں اپنا آپ آشکار کرتے ہوئے۔۔“

”شرم آرہی ہے مجھے اس تصور سے ہی کہ جس لڑکی کو ابھی میں کم عمر لا ابالی بچی سمجھ رہا تھا، وہ میرے سامنے کھڑی میری آنکھوں میں دیکھتے ”اظہار عشق“ فرما رہی ہے۔۔“

وہ رودی، پھوٹ پھوٹ کر۔۔ کتنا غلط سمجھ رہے تھے وہ اسے۔۔ وہ اپنی ساری انا، خود داری، خوف کو پس پشت ڈالے صرف اور صرف فوزان کی خاطر ان کے سامنے آئی تھی اور وہ۔۔“ اس کا دل تڑپ اٹھا۔

”آپ جانتے ہیں کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔۔ بغیر کسی لالچ اور غرض کے۔۔ کب میں نے

تو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا کیسے رشتہ تیری خاطر یونہی توڑ آیا ہوں

☆☆☆

جان کو خیال آیا تھا۔
 ”ہاں! مجھے بھی خیال نہیں رہا۔۔۔ صبح سے وہ کمرے سے
 نہیں نکلی۔۔۔ رات کو بھی شام کو ہی کمرے میں گھس گئی
 تھی، صبح نماز پڑھتے بھی نہیں دیکھا۔۔۔ اور تو اور صبح
 پودوں کو پانی تو ضرور دیتی ہے۔۔۔ آج وہ بھی نہیں
 دیا۔۔۔“ شہباز حیدر نے ایک نظر ماں کو دیکھا، اور
 خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے۔

”نوزان اسکول چلا گیا ہے۔۔۔؟“ اچانک خیال آنے
 پر پوچھا۔

”ہاں! وہ تو چلا گیا تھا۔۔۔ تیار شیار ہو کر باہر آیا
 تھا۔۔۔ کہہ رہا تھا کہ ماما کو بخار ہے۔۔۔ رات بھی عیشہ کی
 طبیعت خراب تھی۔۔۔ خدا خیر کرے۔۔۔“

”جاؤ زلیخا دیکھو۔۔۔ عیشہ کیا کر رہی ہے۔۔۔“ نانی جان
 نے فکر مندی سے کام والی کو کہا تو وہ چلی گئی، انہی
 دو منٹ ہی گزرے تھے جب وہ بھاگی آئی۔

”بیگم صاحبہ۔۔۔ بیگم صاحبہ۔۔۔ عیشہ بی بی تو بے ہوش
 پڑی ہوئی ہیں۔۔۔ بخار سے تپ رہی ہیں۔۔۔ میں نے
 دو تین دفعہ ہلایا بھی مگر ہوش نہیں آیا۔۔۔“

”یا اللہ۔۔۔ خدا خیر کرے۔۔۔ کیا کہہ رہی ہے تو
 زلیخا۔۔۔ اب اتنی خراب طبیعت بھی نہیں تھی بچی
 کی۔۔۔“ نانی امی تو فوراً عیشہ کے کمرے کی طرف بھاگی

تھیں، ان کے پیچھے امی اور حیدر صاحب
 بھی۔۔۔ شہباز حیدر جو نارٹل ہی تھے۔۔۔ ان کے چہرہ پر
 بھی پریشانی چھلکی۔۔۔ کل کے واقعے کے بعد انہوں نے

اسے نہیں دیکھا تھا۔۔۔ وہ بھی ٹرے ایک طرف دھکیل کر
 اس کے کمرے کی طرف چلے آئے۔۔۔ وہ بے سدھ بستر
 پر پڑی ہوئی تھی، نانی امی اس کے ہاتھ پیر سہلار ہی تھیں

تو امی پانی لے کر اس کے منہ پر چھینٹے مار رہی تھیں۔
 ”بڑا تیز بخار ہے اسے۔۔۔ یا اللہ رحم کر۔۔۔“ نانی جان تو
 بس رو دینے کو تھیں۔ وہ دروازے پر ہی رکے ہوئے
 تھے۔

”جاؤ زلیخا۔۔۔ ساتھ والے حامد صاحب کو بلا لاؤ، وہ

کسے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا ہے
 کتنی اجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا ہوں۔
 سارا دن وہ اپنے کم مائیگی کا ماتم کرتی رہی تھی،

رات تک اسے بہت تیز بخار ہو گیا تھا، وہ اس کے
 قدموں میں اپنی انا، اپنی خودداری، اپنی نسوانیت سمیت
 سب کچھ لٹا آئی تھی، یہ ایسا دکھ تھا جو اسے اندر ہی اندر

کاٹ رہا تھا، جب تک بات دل میں تھی، وہ مطمئن تھی،
 خود کو بہلا لیا تھا مگر اب زبان سے ادا ہو چکی تھی تو دل کا
 روگ بن گئی تھی، اسے یہ دکھ نہیں تھا کہ اس نے اس کی

محبت کو قبول نہیں کیا، اسے یہ دکھ تھا کہ اس نے انتہائی
 نفرت و حقارت سے اسے دھتکار دیا تھا۔ وہ تو مکمل لٹی
 تھی، تن من دھن سے سب کچھ لٹا آئی تھی۔۔۔ دونوں

ہاتھوں سے خالی تھی۔۔۔ دکھ تھا کہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا، کم
 مائیگی سب کچھ کھودینے کا احساس کاٹ کھا رہا تھا۔ وہ
 مضحکہ خیز تھی، کھانے کے بعد وہ کمرے میں بند ہوئی تو

ساری رات دھکتے انگاروں پر لوٹی رہی۔۔۔ آگ
 بکھیرتے انگارے اسے سلگاتے رہے اور وہ سلگتی
 رہی، نوزان اس کے پاس بستر پر سویا ہوا تھا، مگر اسے

کوئی چین، کوئی قرار نہ تھا، جوں جوں رات بیتی جا رہی
 تھی، اس کے اعصاب جواب دیتے جا رہے تھے۔
 صبح تک وہ بے جان سی ہو چکی تھی، نوزان کو

اسکول جانا تھا، اس کی خاطر بستر سے اٹھی تھی، بمشکل
 اسے تیار کرا کر کمرے سے باہر بھیج کر وہ دوبارہ بستر پر
 لیٹ چکی تھی، بخار کی حدت، غم کی شدت سے سرچکرا رہا

تھا۔ خاموشی سے کمرے میں سر تک تان لیا۔ شہباز حیدر
 ہو کر نیچے آئے تو امی نے ٹرے تیار کر رکھی تھی، تایا جان
 نماز و تلاوت کے بعد سو جاتے تھے، ان کا ناشتہ دس بجے

ہوتا تھا، جبکہ حیدر صاحب اخبار دیکھ رہے تھے، وہ لیٹ
 آفس جاتے تھے، شہباز حیدر نے ان کے ساتھ والی
 کرسی سنبھالی۔ دوسری طرف نانی جان بیٹھی ہوئی
 تھیں۔

”آج عیشہ نے یونیورسٹی نہیں جانا۔۔۔“ اچانک نانی

اس وقت گھر پر ہی ہوں گے۔۔۔ جلدی کرو۔“ کیا تھا، وہ حقیقتاً پریشان ہو گئے تھے، ایک تو عیشہ کی اس ابھرتی حالت تھی، وہ ایک دم گھبرا گئے تھے، زلیخا فوراً مندر سیریس کنڈیشن ہو جانا۔۔۔ اوپر سے رات کو فوزان باہر بھاگی۔

”حامد صاحب ڈاکٹر تھے۔۔۔ اپنا بیگ لے کر فوراً عیشہ کا پی پی چیک کرنے لگے۔۔۔“

”بیچی کا پی پی بری طرح لو ہے۔۔۔ بیچی کی کنڈیشن بہت خراب ہے۔۔۔ اتنا لو بی پی۔۔۔ کچھ بھی ہو سکتا۔۔۔“

”آپ اسے فوراً ہسپتال لے جائیں۔۔۔ ورنہ ضد کر رہا تھا، اس نے سکول سے چھٹی کی تھی، دس بجے نروس سسٹم بھی متاثر ہو سکتا ہے۔۔۔“

ایک اور انجکشن لگا کر اس کا پی پی نارمل کرنے کی کوشش کی تھی، مگر کچھ دیر بعد ناکام ہو کر انہوں نے کہا تو تائی امی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

”ہائے میری بیچی۔۔۔“

”بھابھی آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔ ہم اسے ہسپتال لے جائیں گے۔۔۔ شہباز! گاڑی نکالو“ ابو نے تائی جان کو تسلی دی تھی، شہباز نے گاڑی نکالی تو ابو نے امی کی مدد سے اسے گاڑی میں ڈالا۔ عیشہ کو انتہائی نگہداشت والے روم میں لے جایا گیا تھا، وہ بالکل ہاتھ پیر چھوڑ چکی تھی، پانچ چھ گھنٹے بعد ڈاکٹر نے اسے خطرے سے باہر قرار دیا تھا۔۔۔ پھر رفتہ رفتہ اس کی طبیعت سنبھلنے لگی تھی، رات گئے وہ ہوش میں تھی، حواس میں آتے ہی وہ رونے لگ گئی تھی۔۔۔ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر، نانی جان، امی، مہوش بھابھی اس کی دوسری والدہ ماجدہ سبھی اسے سنبھالنے میں لگے ہوئے تھے۔۔۔

ڈاکٹر نے اس کے پاس زیادہ رش کرنے سے منع کیا تھا۔۔۔ اگلے دن وہ کافی بہتر تھی، اسے روم میں منتقل کر دیا گیا تھا، رونے کے بعد وہ خاموش ہو گئی تھی، سب نے بری طرح اس کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔۔۔ واجد صاحب اس کا بھرپور خیال رکھ رہے تھے، بخار بھی قدرے بہتر تھا۔

فوزان جس نے پچھلا سارا دن عیشہ کے بغیر گزارا

”ماما۔۔۔“ فوزان نے آگے بڑھ کر عیشہ کا بازو جھنجھوڑا تو اس نے تڑپ کر بازو ہٹایا۔

”فوزی۔۔۔ تم۔۔۔ اوہ میری جان۔۔۔“ وہ اگلے ہی لمحے اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی تھی، شہباز حیدر نے اس پر نگاہ ڈالی، ذرا کم لایا ہوا چہرہ تھا مگر بہت محبت سے وہ فوزان کو بازو کے گھیرے میں لے کر اس کے منہ پر پیار کر رہی تھی، ان کے دل میں کوئی چیز کلک ہوئی۔

”سکول نہیں گئے۔۔۔“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”میں نے آپ کے پاس آنا تھا۔۔۔“

”بری بات۔۔۔ اچھے بچے اسکول سے چھٹی نہیں کرتے۔۔۔ آپ شام کو آ جاتے۔۔۔ میں نے بھی اپنے فوزی کو بہت مس کیا تھا۔۔۔“ وہ بہت لاڈ سے اسے کہہ رہی تھی۔ فوزان اس کے بستر پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا، وہ اسے کل سارے دن کی روداد سن رہا تھا، گزری رات کے متعلق بتا رہا تھا، تائی امی سے باتیں کرتے شہباز حیدر کا سارا دھیان اسی کی طرف تھا۔

”رات کو کس کے پاس سوئے تھے۔۔۔ عیشہ کی آواز پر
 شہباز نے دیکھا، فوزان اس کے پہلو میں لیٹا ہوا تھا، وہ
 بہت محبت سے اس کے بال سنوار رہی تھی۔ اس کا سارا
 دھیان فوزان کے چہرے کی طرف تھا۔
 ”پاپا کے پاس۔۔۔ مجھے آپ کے بغیر نیند نہیں آتی
 تھی۔۔۔ پھر بابا دادو کے پاس لے گئے تھے، پھر
 انہوں نے کہانی سنائی تھی اور میں سو گیا تھا۔۔۔“
 ”ہوں۔۔۔“ عیشہ نے سر اٹھا کر دیکھا، شہباز حیدر کی
 نظروں کا زاویہ بدلا۔

”اچھا تائی امی! میں چلتا ہوں۔۔۔ کسی سے ملنا ہے،
 واپسی میں فوزان کو لے جاؤں گا۔۔۔“ عیشہ نے خاموشی
 سے شہباز حیدر کو دادی اماں سے بات کرنے کے بعد
 باہر نکلتے دیکھا تھا۔ پھر اس نے سر ہانے پر سر رکھ
 کر آنکھیں موند لیں۔

”آپ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کر رہے ہیں
 شہباز۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔۔“ وہ سسک پڑی۔ سارا
 دن فوزان اس کے پاس رہا تھا، شام کا کھانا قیوم بچا

لے کر آئے تھے، کھانا کھانے کے بعد فوزان اس کے
 پاس ہی بستر پر لیٹ گیا تھا۔ قیوم نے فوزان کو لے جانا
 چاہا تھا مگر وہ نہیں گیا تھا۔ وہ اکیلے ہی واپس چلے گئے
 تھے، اس وقت وہ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی جبکہ
 دادی جان نماز پڑھ رہی تھیں، فوزان سو گیا تھا، شہباز
 حیدر کمرے میں داخل ہوئے تو رک گئے۔۔۔ سارا دن

وہ اپنے کام کے سلسلے میں مصروف رہے تھے، ان کا
 خیال تھا کہ فوزان گھر چلا گیا ہوگا مگر قیوم نے فون کر
 کے انہیں فوزان کو لے آنے کا کہا تھا، اسی لیے وہ یہاں
 آئے تھے، مگر اس وقت وہ عیشہ کے ساتھ ہی بستر پر لیٹا
 سو رہا تھا۔

”فوزان۔۔۔“ انہوں نے بستر کے قریب آ کر آواز دی
 تو عیشہ نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ نظریں سیدھی
 ان کی آنکھوں سے ٹکرائی تھیں، کتنی شکایتی نگاہیں تھیں،
 شہباز نے لب بھینچ لیے، مٹی سے عیشہ نے بھی آنکھیں

یہ مہربانیاں نہ کیا کریں۔۔۔ میرا دل خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے لگ جاتا ہے۔۔۔ بہت نفرت کرتے ہیں مجھ سے۔۔۔ میں اسی قابل ہوں۔۔۔ جائے یہاں سے۔۔۔ نہیں مرنے والی میں۔۔۔ دھیمی جلتی سلکتی آواز تھی، وہ بغیر آواز پیدا کیے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی تھی، وہ اسے کچھ کہنا چاہتے تھے، کوئی جملہ ان کے لبوں پر آتے آتے رہ گیا۔ تائی جان کی موجودگی کا خیال کرتے انہوں نے ایک تیز قابل رحم نظر اس پر ڈال کر فوزان کو اٹھایا تھا۔ وہ کمرے سے نکل گئے تھے مگر وہ مسلسل رورہی تھی، تیکے میں منہ چھپائے شدت سے آنسو بہا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ ہسپتال سے آنے کے بعد دو دن دادی جان کے ہاں رہی، پھر اپنا سامان لے کر واجد صاحب کے ہاں چلی آئی، امی کے برعکس اس کے تینوں بہن بھائی اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، وہ اکثر ان کے بے پناہ اصرار پر ان کے ہاں آکر رہتی رہی تھی، اب بھی خود کو پرسکون کرنے کو چلی آئی کہ وہاں بہت کوشش کے باوجود شہباز حیدر سے سامنا ہو ہی جاتا تھا اور ہر بار وہ نئے سرے سے ادھر جاتی تھی، اس کے دل کو جو تھیس پہنچی تھی، وہ خود کو نارمل کرنا چاہ رہی تھی، اس لیے ادھر آگئی۔ یونیورسٹی بھی یہاں سے چلی جاتی تھی، شہباز حیدر نے اسے بری طرح نفرت سے دھتکارا تھا، اندر کی یہ تکلیف کم ہی نہیں ہو پارہی تھی، ادھر آکر بہن بھائیوں میں الجھ کر وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں تھی۔ فوزان اس کے بغیر کیسے رہ رہا ہے، رات کو کس کے پاس سوتا ہے، وہ فی الحال یہ سب نہیں سوچنا چاہتی تھی، پس اپنے آپ کو سمیٹ رہی تھی کہ پھر سے پہلے جیسی ہو جائے، ابھی اسے یہاں آئے چوتھا دن ہی تھا کہ قیوم چاچا سے لینے چلے آئے۔

”گھر چلو! سب تمہیں بہت مس کر رہے ہیں۔۔۔ خاص طور پر فوزان تمہارے بغیر کسی اور کے قابو میں نہیں

دیے۔۔۔ وہ بعد کی بات ہے۔۔۔ جب تمہاری شادی ہوگی تو دیکھا جائے گا۔۔۔“ وہ ان کا چہرہ دیکھے گئی، دماغ میں شہباز حیدر کے کئی جملے سنسناتے رہے۔

”میں ابھی تو نہیں جاؤں گی۔۔۔ پہلی دفعہ کچھ عرصہ یہاں رہنے آئی ہوں، بلکہ پورا ہفتہ رکنے کا ارادہ ہے۔۔۔ فوزان کے پاپا کس مرض کی دوا ہیں۔۔۔ وہ اپنے بچے کو سنبھالیں۔۔۔“ پھر اس کی دادی، چاچی کبھی ہیں۔۔۔“ اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

”وہاں سب ہیں مگر تم تو نہیں۔۔۔“

”کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔“ ایک لمحے کو وہ آزر دگی کا شکار ہوئی، پھر سنبھلی۔

”میں کچھ دن رہوں گی پھر گھر آ جاؤں گی۔۔۔ پلیز۔۔۔“

فوزان کی حمایت میں وہ اس قدر گری تھی، اور اب اسے خود پر بند باندھنے تھے۔ وہ نہیں گئی تھی، مزید دو دن گزرے تھے، اس رات کھانے کے بعد وہ سب چائے پے رہے تھے، جب شہباز حیدر چلے آئے، چھ سات دنوں بعد سامنا ہو رہا تھا، یوں لگ رہا تھا کہ جیسے صدیوں بعد دیکھ رہی ہو۔۔۔ وہ اپنی اسی کیفیت پر کنفیوژ ہو گئی، سلام دعا کے بعد وہ بالکل بت کی طرح بیٹھی رہی۔

”عیشہ۔۔ تم اپنا سامان تیار کر لو۔۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔۔“ جائے کے بعد انہوں نے اس کی طرف رخ کر کے کہا تو وہ چونکی، حیران ہو کر ان کا سنجیدہ چہرہ دیکھا، وہ تو کبھی بھی کہ وہ یونہی ابو سے ملنے آگئے ہیں مگر۔۔

”جی۔۔؟“

”فوزان کی طبیعت بہت خراب ہے۔۔ دو دن سے بخار رہنے لگا ہے۔۔ سکول بھی نہیں جا رہا۔۔ ڈاکٹر کو روز دکھا رہا ہوں مگر وہ تمہیں بہت مس کر رہا ہے۔۔ تم ایسی وقت چلو۔۔ پھر کبھی رہنے آ جانا۔“ انہوں نے تفصیلی بتایا تو وہ ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔ فوزان سے دور رہنے کی خود ہی انہوں نے سزا تجویز کی تھی اور خود ہی اب۔۔ اندر ہی اندر فوزان کی طبیعت کا سن کر پریشان بھی ہوئی، وہ کبھی بھی خود سے اس سے اتنے دن دور نہیں رہی تھی، نجانے کیسے اپنے دل کو مار رہی تھی، صرف اور صرف اس شخص کی وجہ سے مگر اب دل فوزان کے پاس اڑ کر پہنچ جانے کو چل اٹھا تھا۔

”بہت زیادہ طبیعت خراب ہے اس کی۔۔“ فکر مند ہی اس کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

”ہوں۔۔ اسی لیے تو آیا ہوں۔۔“ انہوں نے تلے انداز میں جتایا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

”میں فوزان کی وجہ سے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہیں میں تمہاری حمایت سمیت نظر انداز کر رہا ہوں۔۔ تم فوزان سمجھاؤ۔۔ آہستہ آہستہ وہ بہل جائے گا۔“ راستے میں وہ کہہ رہے تھے، وہ جو خوش فہم ہو رہی تھی، کہ شاید میں کہیں نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہو، چھن سے اندر کچھ ٹھنک گیا، آنکھیں بے وقفی پر بھرا آئیں۔

”روکیں گاڑی یہاں۔۔ مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ۔۔“ اپنی اس ناقدری و تذلیل پر وہ مزید چپ نہ رہ سکی، بھرائی آواز میں کہا تو شہباز حیدر نے اسے گھورا۔

”وہ آپ کا بیٹا ہے۔۔ سمجھالیں آپ خود اسے۔۔ میرے کندھے پر رکھ کر کیوں بندوق چلا رہے ہیں۔۔ آپ کو تو ذرا بھی خدا کا خوف نہیں، کوئی یوں بھی کسی کے جذبات سے کھیلتا ہے۔۔“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ شہباز حیدر خود کو خاصا بے بس محسوس کرنے لگے، سمجھ نہ آئی کہ وہ اس نالائق جذباتی دیوانی لڑکی کو کیسے سمجھائیں۔ اپنی سختی کا نتیجہ دیکھ چکے تھے جبکہ نرمی۔۔“ انہوں نے سر جھٹکا۔

”میں اسی لیے قیوم چاچا کے ساتھ نہیں آئی تھی اور اب آپ۔۔“ اپنے آنسو صاف کرتے بے حس بنے شہباز حیدر کو دیکھا۔

”مجھے ایک دفعہ ہی جان سے مار دیں۔۔ یہ قسطوں سے مارنے کا مزہ کیوں لے رہے ہیں۔“ وہ رو پڑی، شہباز حیدر نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے، ان کا کوئی بھی غیر متوقع جذباتی جملہ اس کم عقل لڑکی کو مزید بکھیر سکتا تھا۔

”میں نے جان بوجھ کر محبت نہیں کی تھی، یہ جذبے تو خود دل میں جگہ بناتے ہیں۔۔ مجھے اندازہ ہوتا کہ ان جذباتوں کی سزا فوزان سے دوری ہے تو خود کو روک لیتی مگر۔۔ بہت روکا تھا۔۔ یہ دل کب مانا تھا۔۔“ شہباز حیدر کو لگ رہا تھا کہ ان کا ضبط جواب دے رہا ہے۔

”میں آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔۔ پلیز فوزان کو مجھ سے دور نہیں کریں۔۔“ آنسو بھری آنکھوں سے وہ اس کے سامنے التجائے بیٹھی تھی، شہباز حیدر نے خاموشی سے ایک گہری سانس کھینچی، پھر اس کے بعد گھر آنے تک ایک طویل خاموشی تھی۔ وہ گھر آئی تو فوزان کی حالت دیکھ کر مجرم سی بن گئی۔ اسے خود پر ندامت ہوئی۔۔ شکایتی نظروں سے شہباز حیدر کو دیکھا، جو خود نظریں چرا گئے تھے۔ وہ مزید بے وقفی پر بھرا آئیں۔

”کیا ہوا تھا میرے فوزی کو۔۔“ اسے ساتھ لگائے اس نے محبت سے پوچھا تو وہ رونے لگا۔

”ماما کہاں تھیں آپ۔۔ پاپا کہہ رہے تھے آپ چلی گئی

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

کرتایا۔

”جی میں جانتا ہوں۔۔۔“ عیشہ نے حیران ہو کر اسے ”میرے جذبات سے میری فیملی لاعلم ہے۔۔۔ میں اگر دیکھا، تو وہ فوراً بولا۔

”دراصل امی کے پاس آپ کی تصویر دیکھی تھی، آپ پوچھتی تھی، میرے پاس اپنی یکطرفہ محبت کا کوئی جواز نہ یہاں۔۔۔ خیریت۔۔۔“ وہ سر جھکا گئی۔

”مجھے آپ سے ضروری بات کرنا تھی۔۔۔“ اس نے حقیقت بتانا ضروری سمجھا ہے۔۔۔ آپ میرے ہمت کی۔

”جی کیوں نہیں۔۔۔ پہلے ٹھہریں۔۔۔ یہ بتائیں کیا بات مانیں گے تو آپ کو مجھ سے کچھ حاصل نہیں ہو لینا پسند کریں گی۔۔۔“ انٹرکام کا رسیور اٹھا کر اس سے

پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”پلیز اس تکلیف کو رٹنے دیں۔۔۔ میں یونیورسٹی سے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں تھی، چلی سیدھی آئی ہوں، مجھے گھر بھی جانا ہے۔۔۔“

”مگر کچھ تو ہونا چاہیے نا۔۔۔“ وہ بضد ہوا۔

”مجھے حاجت نہیں۔۔۔ ورنہ میں آپ کو منع نہ کرتی۔۔۔“

”اوکے۔۔۔ ایز یوش۔۔۔“ اس نے رسیور واپس رکھ دیا۔

”جی کہیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی۔“ عیشہ کا نارمل انداز دیکھ کر وہ بھی فوراً موضوع کی طرف آیا تھا۔

”آپ کو علم تو ہوگا آپ کو اور ہماری فیملی کس سلسلے میں سوچ رہی ہے۔۔۔ دیکھیں محسن صاحب! میں آپ کو کسی سخت تھا۔۔۔ وہ بوکھلا گئی، کبھی جھوٹ بولنے کی نوبت ہی بھی قسم کے اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتی۔۔۔ میں نہ آئی تھی مگر اب۔۔۔

آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“

”جی۔۔۔؟“ عیشہ کے نارمل رویے پر وہ الجھا ضرور تھا۔

اندازہ نہ تھا کہ یہ بات ہوگی۔

”اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔۔۔؟“ اس نے سنجیدگی سے عیشہ کے چہرے کو دیکھا، وہ گردن ہلا گئی۔

”میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔۔۔ مجھے نہیں پتا وہ شخص میرے مقدر میں ہے یا نہیں مگر میں کسی اور شخص کی بھی زندگی تباہ نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ چاہے وہ آپ ہی کیوں نہ ہوں۔۔۔ میری محبت یکطرفہ ہے۔۔۔ اس کے باوجود میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔۔۔“ وہ آہستگی سے سب کہہ گئی تھی، وہ خاموشی سے عیشہ واجد کو دیکھے گیا۔

ہوگئی، اگلے دودن تک اس کی جان سولی پر لٹکی رہی، وہ ”کوئی بات نہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ خوش محسن جاوید کے جواب کی منتظر تھی، پھر اسے زیادہ نصیب جس کیلئے آپ اسٹینڈ لے رہی ہیں کون ہے؟“ انتظار بھی نہ کرنا پڑا۔ رات کا وقت تھا، فوزان کو سلا کر ”کیا کریں گے آپ جان کر۔“ وہ خود اذیت سے وہ دودھ کا خالی گلاس کچن میں رکھتے کمرے سے نکلی تھی، مسکرائی۔ میکطرفہ جذبات میں جن کا فریق ٹائی پر کوئی جب راہداری سے گزرتے فون کی بیل بجی، اس نے اتر نہیں۔ اور شاید ساری زندگی بھی نہ ہو۔ بس میں آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا۔

”ہیلو۔۔“ عیشہ ہیں۔۔؟“ دوسری طرف سے کوئی پوچھ رہا تھا۔ بارے تھے۔۔ اس کا لہجہ خود بخود آزرده ہو گیا۔ ”جی بول رہی ہوں مگر آپ کون۔۔؟“ اس نے حیران ”اوہ! ویری سپڈ۔۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہو کر پوچھا۔“ تھینک گاڈ آپ نے کال رسیو کی۔۔ میں کل سے کئی بار آپ کا نمبر ملا چکا ہوں مگر ہر بار کسی اور کی آواز سننا پڑتی تھی۔۔ میں محسن جاوید بات کر رہا ہوں۔۔ کہیے کیسی ہیں؟“ انتہائی بے تکلفی سے کہا جا رہا تھا۔ عیشہ نے ایک گہری سانس کھینچی۔

”ٹھیک ہوں۔۔ آپ سنائیں۔۔“ ”الحمد للہ۔۔ عیشہ آپ نے مجھے فیصلہ کرنے میں مدد دی ہے۔۔ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔۔“ وہ کہہ رہا تھا، وہ چونکی، حیرت بھی ہوئی۔

”مگر کیوں۔۔؟“

”میں بھی آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔ دراصل میری کسی اور سے کمینٹ ہے، گھریلو چپقلش کی وجہ سے امی ابو نہیں مان رہے تھے، پھر آپ کی طرف سلسلہ چل نکلا، میں نے ہر ممکن کوشش کی۔۔ بعد میں ہتھیار ڈال دیے تھے، اس دن آپ کی باتوں نے مجھے حوصلہ دیا، غیرت دلائی، کہ آپ لڑکی ہو کر اپنے لیے کوشش کر رہی ہیں اور میں مرد ہو کر والدین کو نہیں مناسکتا۔۔ بس گھر جا کر میں نے ہر وہ حربہ استعمال کیا جس سے امی ابو مان سکتے تھے۔۔ کل وہ لوگ آپ کے ہاں انکار کرنے آئیں گے۔۔“

”تھینک یوسوچ محسن صاحب۔۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔

☆☆☆

اک پاکیزہ محبت کے طلبگار تھے ہم آزما گئے دیکھتے بہت وفادار تھے ہم ہم نے بھی دامن میں خوشیوں کو سمیٹنا چاہا شاید اسی خواہش کے گنہگار تھے ہم محسن جاوید کے والدین نے فون کر کے اس رشتے سے معذرت کر لی تھی، بات ہی ایسی تھی کہ کتنے دن تک گھر والے افسردہ رہے تھے، چند دن زور و شور سے اس موضوع پر تبصرے بھی ہوئے مگر پھر رفتہ رفتہ سب بھول بھال گئے، کچھ دن مزید سر کے تو تائی جان کو اب اٹھتے بیٹھتے عیشہ کے رشتے کی فکر ستانے لگی۔۔ وہ کوئی کم عقل، کم صورت جاہل لڑکی نہ تھی کہ رشتے میں پریشانی ہوتی، مگر محسن جاوید کی فیملی کے انکار کے بعد وہ

خوامخواہ ہی التاسیدھا سوچنے لگی تھیں، انہوں نے کئی لوگوں سے عیشہ کے رشتے کا کہہ رکھا تھا۔ عیشہ سب دیکھ رہی تھی مگر خاموش تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو وہ شہباز حیدر کے علاوہ کسی اور کی زندگی میں داخل نہیں ہوگی، اس کے پاس انکار کا بہت اچھا جواز فوزان کی صورت میں موجود تھا، سودہ مطمئن تھی۔ اس دن بھی وہ یونیورسٹی سے واپس لوٹی تو مہوش نے اسے اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر ڈرائنگ روم میں چلنے کا کہا تھا، وہ تھکی ہاری لوٹی تھی، کئی دن سے اس نئے رشتے کے متعلق سن رہی تھی، اب سامنے یہ مصیبت دیکھ کر اس کے اعصاب پر منوں بوجھ آ پڑا۔

”مہوش چچی۔۔ ضروری ہے کیا۔۔؟“ اس کے منہ بنانے پر وہ ہنسیں۔

”ہاں! بہت زیادہ۔۔ دو گھنٹے سے وہ لوگ آئے بیٹھے ہیں، چائے وغیرہ سے فارغ ہو چکے ہیں۔ بس تم چینیج کر کے فوراً اندر آؤ۔“ اس کے رخسار پر چٹکی بھر کر مسکرا کر وہ چلی گئیں، تو وہ بھی لب بھینچے کھڑی رہی۔ پھر بجائے کپڑے بدلنے کے وہ اندر چلی آئی۔ موڈ آف تھا، سو اسی انداز میں سلام کیا۔ دو عورتیں ایک لڑکی اور دو مرد تھے۔ لڑکی اس سے مختلف سوال کر رہی، جنہیں وہ آف موڈ کے ساتھ جواب دیتی رہی۔ پھر جیسے ہی اس کی جان چھوٹی وہ اپنے کمرے میں بھاگی۔ واجد صاحب نے اپنی ساری ذمہ داری اپنے والدین پر چھوڑ رکھی تھی، عیشہ کے اندر دادی،

کے سامنے انکار کرنے کی ہمت نہیں تھی، اوپر شہباز حیدر کے رویے۔۔ جب وہ اسے بری طرح نظر انداز کرتے تو اس کا دل لہو لہان ہونے لگتا تھا، کول رازداں نہ تھا، جس سے وہ کہہ سن کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی۔۔ اور جو باخبر تھا وہ ایک نظر ڈالنا بھی گوارہ نہ کرتا تھا۔ ادھر سے یہ لوگ بھی جا کر لڑکا دیکھ آئے تھے، لڑکا بینک منیجر تھا۔۔ خاندان بھی بہت پسند آیا۔۔ چونکہ بالکل انجان اور غیر لوگ تھے، سو عبد اللہ صاحب کوئی

بھی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے خوب چھان پھٹک کر وا لینے کے حق میں تھے، انہوں نے جانچ پڑتال کی ذمہ داری شہباز حیدر کے سپرد کی تھی، عیشہ کو علم ہوا تو کلس کر رہ گئی۔

محسن جاوید کو اس نے کسی طرح انکار پر آمادہ کر لیا تھا مگر اب کیا کرے۔۔ اسے کوئی راہ بھائی نہ دے رہی تھی۔ رات فوزان شہباز حیدر کے پاس تھا، کھانے کے بعد وہ اسے اوپر لے گئے تھے، عیشہ کا خیال تھا کہ وہ خود ہی چھوڑ جائیں گے، اب وہ اسے رات کو اپنے پاس سلانے کی غلطی نہیں کرتے تھے مگر آج رات گیارہ بجے تک وہ اسے چھوڑنے نہ آئے تو وہ الجھ گئی۔ نیچے بھی ایک ایک کر کے سب سو گئے تھے، اوپر والے پورشن میں بھی بالکل اندھیرا اور خاموشی تھی، عیشہ

نے فوزان کے انتظار سے اکتا کر سو جانا چاہا تو نیند کو سوں دور تھی، اسے رہ رہ کر شہباز حیدر پر غصہ آنے لگا، نجانے وہ کیا چاہتے تھے۔ ایک دم کسی خیال سے چونک کر کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کمرے سے نکل گئی۔ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی آئی۔ شہباز حیدر کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے وہ کچھ خوفزدہ تھی، دروازہ کھلا تھا، اس کے ہاتھ لگانے سے کھلتا چلا گیا۔

”کون۔۔؟“ وہ سائیڈ پر تھی، ورنہ شہباز حیدر کی نگاہ ضرور پڑتی۔ عیشہ کی طرف سے بالکل خاموشی تھی، شہباز حیدر اٹھ کر دروازے کے قریب چلے آئے، اسے دیکھ کر چونکے، پھر حیران ہوئے۔

”تم۔۔ اس وقت۔۔؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا لہجہ سن ہو گیا۔

”وہ فوزی۔۔“ ملکجے اندھیرے میں اپنے سامنے شہباز حیدر کے توانا وجود کو دیکھ کر وہ پھر ہمت ہار گئی۔

”وہ سو گیا ہے۔۔“ سخت لہجے پر عیشہ نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ کھا جانے والی نظروں سے گھورا جا رہا تھا، وہ فوراً سر جھکا گئی۔

”وہ۔۔ وہ مجھے آپ سے۔۔“ انگلیاں چٹخائے آ تو گئی

تھی مگر اب ساری ہمت پانی کا بلبلہ ثابت ہو رہی تھی۔
 ”آپ دادا جان کو منع کر دیں، مجھے شادی نہیں کرنی۔۔۔ مجھے یہ رشتہ پسند نہیں۔۔۔“ ہمت کر کے کہہ دیا، شہباز حیدر کا دماغ بھنا اٹھا۔
 ”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔۔۔ رات کے اس پہر تم مجھے یہ بتانے آئی ہو۔۔۔“ انہوں نے اپنے غصے کو بمشکل کنٹرول کرتے چبا چبا کر کہا تھا، وہ سر جھکا گئی۔
 ”آپ۔۔۔“

”بکواس بند کرو۔۔۔ جاؤ آرام سے جا کر سو جاؤ۔۔۔ مجھے مجبور کرنے والے۔۔۔ نہیں کرنی مجھے کسی بھی ایکس فوژان سویا ہوا ہے۔۔۔ اگر رات کو تنگ کیا تو تمہارے“ ائی زیڈ سے شادی۔۔۔“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پاس چھوڑ آؤں گا۔۔۔“ اپنے غصے پر بمشکل کنٹرول کرتے انہوں نے کہا۔ اور جہاں تک اس رشتے کی بات ہے میں انکار نہیں کروں گا، تم اگر خود کرنا چاہتی ہو تو تیار ہو۔۔۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔“ مٹی سے باور کروا کر انہوں نے دروازہ بند کرنا چاہا تو عیشہ نے تیزی سے اپنا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکھ کر ان کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔
 ”آپ پلیز میری بات تو سن لیں۔۔۔“ عیشہ کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے، یوں دھتکارے جانے پر دل مچل اٹھا۔ انجام کی پرواہ کیے بغیر تیزی سے کہا۔
 ”عیشہ۔۔۔“ شہباز حیدر دھیمی آواز میں پھنکارے۔ ساتھ والا کمرہ قیوم اور مہوش کا تھا، اگر رات کے اس پہر ان میں سے کوئی باہر نکل آتا تو انہیں کتنی سیکی کا سامنا کرنا پڑتا، مگر یہ لڑکی ان نزاکتوں کو نہیں سمجھ پارہی تھی، کسی چیز کی پرواہ ہی نہ تھی۔

”آپ یوں چیخ کر میری زبان روک نہیں سکتے، یوں دھتکار کر میرے اندر موجزن جذبوں کو نوچ نہیں سکتے۔۔۔ کیا مانگ رہی ہوں میں آپ سے۔۔۔ آپ کا عمر بھر کا ساتھ تو نہیں مانگ رہی اور نہ آپ کو شادی کی آفر کر رہی ہوں۔۔۔ جو اس طرح طیش سے مجھے دروازے سے ہی دھتکار رہے ہیں۔۔۔“ شہباز حیدر جتنی دھیمی آواز میں پھنکارا تھا، وہ اتنی ہی تیزی سے

سے چیخی تھی۔ شہباز کا دماغ گھوما تھا، ایک دم اس کا بازو دبوچ کر اندر گھسیٹ لیا۔
 ”تم میں شرم نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی گھٹیا حرکت پر اتر آؤ گی۔۔۔“ اسے دیوار کے ساتھ دھکا دے کر وہ کمرے میں سخت اضطراب سے ٹہلنے لگے تھے، عیشہ نے دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچایا۔

”یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔۔۔ آپ کون ہوتے ہیں“ یہاں کیوں آئی ہو۔۔۔“ وہ پھر پھنکارے تھے، وہ قطعی لوز ٹمپر امنٹ کے مالک نہ تھے، مگر یہ لڑکی ہر بار انہیں اسی طرح جھنجھوڑ رہی تھی کہ وہ بلبلہ اٹھتے تھے۔ اب بھی پھنکارے تھے۔ زیرو پاور کے بلب کی روشنی میں سبز ہلکی روشنی میں کمرہ عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔
 ”آپ اس رشتے کی جانچ پڑتال کر رہے ہیں۔۔۔“ روتے ہوئے اس نے وجہ بتائی، تو شہباز حیدر کا جی چاہا کہ اس سر پھری کم عقل لڑکی کا سر پھاڑ دے۔
 ”تو کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔“ پہلے بھی تو انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ جا کر محسن جاوید کو انکار کر آئی تھی، اب بھی کوئی نیا ڈرامہ رچا لینا۔ عیشہ رونا بھول کر بری طرح حیران نظروں سے انہیں دیکھ گئی، جو صرف گھور رہے تھے۔
 ”آپ۔۔۔ آپ جانتے ہیں۔۔۔“ اس جی حیرت کا سکتہ

ٹوٹا۔
 ”محسن جاوید سے میری اچھی خاصی علیک سلیک ہے۔۔۔ اس دن میں اس سے ملنے گیا تھا، مگر اس کے آفس سے آئی تمہاری آواز سن کر پلٹ آیا تھا، اور اسی رات جب اس نے کال کی تھی، تم سے پہلے لاؤنج میں رکھا فون میں اٹھا چکا تھا۔ محسن کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، اس کی کسی سے کمٹمنٹ نہیں تھی، وہ صرف تمہاری

ٹوٹا۔
 ”محسن جاوید سے میری اچھی خاصی علیک سلیک ہے۔۔۔ اس دن میں اس سے ملنے گیا تھا، مگر اس کے آفس سے آئی تمہاری آواز سن کر پلٹ آیا تھا، اور اسی رات جب اس نے کال کی تھی، تم سے پہلے لاؤنج میں رکھا فون میں اٹھا چکا تھا۔ محسن کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، اس کی کسی سے کمٹمنٹ نہیں تھی، وہ صرف تمہاری

میں موقع ملے ہی تایا ابو سے بات کروں گا۔۔۔ اس کا بازو پکڑ کر باہر دھکیل کر سختی سے کہہ کر انہوں نے دروازہ بھی بند کر لیا تھا۔

”نہیں۔۔۔ شہباز پلیر میری بات سنیں۔۔۔ آپ ایسا نہیں کریں گے۔۔۔ مرجاؤں گی میں۔۔۔“ ہتھیلیوں سے دروازہ پٹیتے اسے کسی بات کا بھی ہوش نہ رہا تھا۔
”مرجاؤں گی میں۔۔۔ خدا کے لیے شہباز۔۔۔“ اس کی حالت اس وقت دیکھنے کے لائق تھی۔

”عیسہ۔۔۔“ کسی نے عقب سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا، وہ ایک دم ساکن ہو گئی۔ فوراً ہوش میں آئی تو لمحوں میں احساس ہوا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

”عیسہ۔۔۔“ دوبارہ پکارا گیا تھا، آواز پہچان کر وہ فوراً اپنی گھٹی مٹائی۔ اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر وہ ٹھٹھکی تھی۔

☆☆☆

مہوش اور قیوم دونوں نے کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر عیسہ کو۔۔۔ وہ اب بھی قالین پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیے بری طرح رو رہی تھی۔

”عیسہ۔۔۔“ مہوش نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ مزید ہلکی۔

”اب بس بھی کرو۔۔۔ بہت رو لیا تم نے۔۔۔“ قیوم نے بھی پکارا مگر اس کے آنسو تھے کہ تھپنے میں ہی نہیں آ رہے تھے، بلکہ مزید شدت آ گئی تھی۔ بے بسی کا احساس تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، اب کی بار تو کچھ بھی نہیں بچا تھا، رہی سہی انا عزت نفس سب کچھ لٹا چکی تھی، کچھ بھی تو باقی نہیں بچا تھا، روتی نہ تو پھر کیا کرتی۔۔۔

”دیکھنا ہم شہباز بھائی کا کیا حشر کرتے ہیں۔۔۔ بڑا رو لیا تم نے۔۔۔ ساری کسر نکالیں گے ہم ان کی۔۔۔ فکر کیوں کرتی ہو۔۔۔ جب دل کا سارا بوجھ ہلکا کیا ہے تو اعتماد بھی کرو۔۔۔ شہباز بھائی اب ہمارا مسئلہ ہیں۔۔۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔۔۔“ مہوش چچی نے اسے بہلایا تھا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

وجہ سے انکار کر رہا تھا، اس کے والدین اس سے جس قدر ناراض ہیں، کاش تم اپنی حماقت کا اندازہ لگا سکو۔۔۔ اور اب۔۔۔“ مٹھیاں بھیج کر غصے سے اسے دیکھتے وہ چپ ہو گئے تو وہ پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

”میں مرجاؤں گی۔۔۔ آپ کیوں نہیں سمجھتے آپ کے بغیر میں مرجاؤں گی۔۔۔“ وہ جذباتیت کی انتہا پر تھی، شہباز حیدر کا جی چاہا کہ لمحوں میں اس لڑکی کو غائب کر دیں۔

”دماغ خراب ہے تمہارا۔۔۔ اور کچھ نہیں۔۔۔ خناس بھر چکا ہے اس میں۔۔۔“ اس کی جذباتیت پر وہ پھر آؤٹ ہوئے۔

”یہ صرف میری ڈھیل ہے، تم میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔۔۔ شرم تو نہ آئی تمہیں یہ سب بکواس کرتے ہوئے۔۔۔ میری اور اپنی عمروں کا ہی خیال کر لیا ہوتا۔۔۔ کم از کم اتنا ہی جان لیا ہوتا کہ ہمارا آپس میں کیا رشتہ ہے۔۔۔ اور تم اس رشتے کے حوالے سے میرے لیے کتنی محترم ہو۔۔۔“ وہ تاسف سے کہہ رہے تھے۔

”بات کرتا ہوں میں تایا جان سے۔۔۔ اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔۔۔ تمہارے ماسٹر کا انتظار کرنے کی بجائے تمہیں کل ہی رخصت کریں۔۔۔ یہ رشتہ ہر لحاظ سے معقول ہے۔۔۔“ انتہائی سفاکی سے کہتے شہباز حیدر نے گویا اسے آگ میں دھکیل دیا تھا، وہ بے یقینی سے دیکھے گئی، پھر نفی میں سر ہلایا۔

”آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔۔۔ مجھے یہ شادی نہیں کرنی۔۔۔“ سختی سے کہا تھا۔

”میں ایسا ہی کروں گا۔۔۔“ اس نے زیادہ سختی سے جواب ملا تھا۔

”میں کچھ کھالوں گی۔۔۔“ بلا سوچے سمجھے اس نے دھمکی دی تھی، وہ کتنے پل حیران نظروں سے اسے دیکھے گئے، پھر ایک دم غصے سے برا حال ہوا تھا۔

”تو پھر جو کچھ بھی کھانا ہے ابھی جا کر کھا لو۔۔۔ کیونکہ

”وہ نہیں مانیں گے۔۔۔ وہ مجھ سے سخت نفرت کر رہے ہیں۔۔۔“

”کس کا نہیں مانیں گے۔۔۔ ان کے بڑے بھی مانیں گے۔۔۔“

وعدہ کیا ہے تو وہ سب حالات کو سنبھال لیں گی، اطمینان سے آنکھیں بند کیں تو دیر بعد نیند سے اس کی پلکیں بوجھل ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

اگلے دن مہوش بھابھی نے کالج سے چھٹی کی
تھی، عیشہ کے یونیورسٹی جانے کے بعد شہباز حیدر نیچے
اترے تھے، مہوش نے بغور دیکھا، نارمل انداز میں
ناشتے سے انصاف کرتے گزری رات کے کسی بھی
واقعے کا عکس ان کے چہرے سے ڈھونڈنے سے بھی
نہیں مل رہا تھا، عیشہ نے جو بتایا تھا ان کا خیال تھا کہ
شہباز تائی امی سے ضرور رشتے کے متعلق ذکر چھیڑیں
گے مگر خیریت رہی۔۔۔ شہباز کے حلے جانے کے بعد
تائی امی، چچی دونوں ناشتہ کر رہی تھیں۔ مہوش بھی
اپنا ناشتہ لے کر ان کے پاس ٹیبل پر آ بیٹھیں۔ یونہی
ادھر ادھر کی باتوں کے دوران انہوں نے وہ بات
شروع کر دی۔

”امی میں سوچ رہی ہوں کہ اب شہباز بھائی کی بھی شادی کر دینی چاہیے۔۔۔ جو کہ لینے کو اتنا لمبا عرصہ بہت ہوتا ہے۔۔۔ فوزان کو تو عیشہ نے سنبھال رکھا ہے، وہ اب بڑا ہو رہا ہے، شہباز بھائی کو بھی کچھ عرصہ بعد بیوی کی ضرورت محسوس ہوگی، اسی لیے بہتر ہے کہ ہم ابھی سے سوچیں۔“ مہوش نے بڑے سلیقے سے بات شروع کی تھی، دونوں خواتین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

بات تو ٹھیک ہے مگر شہباز نہیں مانتا۔۔۔“ امی نے نفی میں سر ہلایا۔

”کیوں نہیں مانتے۔۔ ابھی تو اک عمر پڑی ہے ان
 کی۔۔ یوں بغیر گھر والی کے زندگی گزرنے سے
 توڑ ہی۔۔“ مہوش نے کچھ تیزی سے کہا۔
 ”آپ تو ماں ہیں، پیار سے سختی سے راضی
 کریں۔۔ وریشہ کی زندگی اتنی ہی تھی، فوزان کو ہم سب
 سنبھالنے والے ہیں، خاص طور پر عیشہ۔۔ کل کو اس کی
 شادی کر دیں گے، پھر بھی تو فوزان تنہا ہو گا ہی

”کیوں نہیں مانیں گے۔۔ ان کے بڑے بھی مانیں گے۔۔ دیکھنا میں کیا کرتی ہوں۔۔“ مہوش نے چٹکی بجائی تھی، ان کے اعتماد پر عیشہ کو کچھ حوصلہ ہوا۔

”چلو اب جاؤ۔۔ جا کر آرام سے سو جاؤ۔۔ کل میں دیکھوں گی کیا کرنا ہے۔۔ تم فکر نہیں کرو۔۔ سب نارمل ہو جائے گا۔۔“ ان کے اس تعاون پر اس کا دل پر سکون ہوا۔ ان کے کمرے سے نکل کر وہ نیچے چلی آئی، اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر لیٹی تو گزشتہ لمحے ایک ایک کر کے یاد آنے لگے۔ شہباز حیدر کے کمرے سے نکالنے کے بعد وہ جب دروازہ پٹیتے رو رہی تھی، تو عقب سے قیوم چچا نے آواز دی تھی، وہ تو انہیں سامنے دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

”چاچو۔۔“ کہہ کر کے وہ ان کے کندھے سے لپٹ کر دھواں دھار روئی تھی، وہ تو اس نئی افتاد پر بوکھلا گئے تھے، خاموشی سے سہارا دے کر اپنے کمرے میں لے گئے تھے، مہوش کو جگا کر صورتحال بتائی، وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں، وہ تو پہلے ہی سدھ بدھ کھور ہی تھی، تھوڑا سا محبت سے پچکارنے کی دیر تھی، وہ ایک ایک کر کے سب بتاتی گئی۔ دونوں کئی لمحے بے یقین رہے، پھر مہوش نے ہی خود کو سنبھالا تھا۔

”ارے یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔۔ عیشہ سے بڑھ کر فوزان کیلئے بھلا کوئی اور ماں ہو سکتی ہے۔۔ ہم بھی ادھر ادھر رشتے دیکھ رہے ہیں۔۔ کتنے پاگل ہیں۔۔ عیشہ کیلئے شہباز بھائی کا خیال ہی نہیں آیا۔۔ بھائی صاحب نے بھی کہیں نہ کہیں شادی کرنی ہی ہے نا۔۔ ابھی انکار کر رہے ہیں، بعد میں خود ضرورت محسوس کریں گے تو پھر ابھی کیوں نہیں۔۔ تم فکر نہیں کرو عیشہ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔“ وہ فوراً پر جوش ہو گئی تھیں، اور پھر اسے مسلسل تسلیاں دلا سے دیتی رہی تھیں۔ اب وہ کچھ پرسکون تھی۔ اسے یقین تھا کہ مہوش چچی نے

نا۔۔ شہباز بھائی کو بھی اب عقلمندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔۔۔
 ”ہاں! بھوتج کہتی ہے۔۔ تم ہی کچھ زور دو، میں کئی بار کہہ چکی ہوں۔۔“ تائی امی نے بھی مہوش کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”کئی بار اس موضوع پر بات کر چکی ہوں۔۔ مگر ہر بار کہہ دیتا ہے کہ مجھے بیوی اور آپ کو بہو تو مل جائے گی، اگر آنے والی نے فوزان کو قبول نہ کیا تو۔۔ عقیفہ بھابھی کو بھی تو ہم لوگ لائے تھے، انہوں نے عیشہ کو کب اپنایا۔ میں اپنے بیٹے کو ساری عمر کسی محرومی میں نہیں رکھنا چاہتا۔“ امی نے دھکی لہجے میں بتایا تو مہوش نے ایک گہری سانس لی۔

”ہاں! یہ بھی سچ ہے۔۔ فوزان کو عیشہ نے جس طرح پالا ہے شاید وریشہ بھی نہ پالتی۔۔“ انہوں نے جان بوجھ کر عیشہ کا ذکر کر دیا تھا۔

”ہاں! اللہ اجر دے بچی کو۔۔ جب اس کی شادی کر دیں گے تو بڑا مسئلہ ہوگا۔ فوزان تو اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، اس نے بھی اس کے لاڈ اٹھا کر ضدی بنا ڈالا ہے اسے۔۔ صرف وہی اسے سنبھال سکتی ہے۔ میں تو سوچتی ہوں جب وہ چلی گئی تو ہم کیسے سنبھالیں گے۔“ امی کو اب نئی فکر ستائی تھی۔

”امی! میرے ذہن میں جب سے عیشہ کے رشتے چکر چلا ہے، ایک خیال آرہا ہے۔۔ اگر برا نہ لگے تو۔۔“ وہ رک گئیں، دونوں خواتین نے دیکھا۔
 ”کیوں نہ ہم شہباز بھائی اور عیشہ کی۔۔“ وہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ چکی تھیں، دونوں خواتین بے حد حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر مہوش ہو کر کہہ رہی تھی۔

”چھوٹا منہ مگر بڑی بات والی بات ہے لیکن یہ بھی سچ ہے۔۔ جس طرح فوزان عیشہ کے ساتھ اچھا ہے، اگر عیشہ ہمیشہ کیلئے شہباز بھائی کی زندگی میں آجائے تو سوتیلی کے ڈر سے شہباز بھائی جو شادی کرنے پر آمادہ

نہیں ہوتے، وہ بھی کر لیں گے۔۔ پھر ہم نے باہر بھی تو اس کی کہیں نہ کہیں شادی کرنی ہی ہے نا۔۔ اور شہباز بھائی کی بھی تو دونوں کی ایک دوسرے کے ساتھ کیوں نہیں ہو سکتی۔۔“ مہوش نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا تھا۔
 ”ہے تو ٹھیک بات مگر۔۔“ تائی امی رک گئیں۔

”لوگ کیا کہیں گے کہ دونوں میں عمر کا تیرہ چودہ سال کا فرق ہے۔۔ پھر وہ رشتہ بھی نازک سا ہے۔۔ لوگ باتیں نہ بنالیں۔۔“ امی کو بھی مہوش کی بات بھائی تھی مگر خدشے بول اٹھے۔

”رشتے میں دونوں چچا بھتیجی لگتے ہیں۔۔ سکے تو نہیں ہیں نا۔۔ پھر حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کا بھی یہی رشتہ تھا۔۔ رہ گئی بات عمر کی تو اتنا زیادہ فرق بھی نہیں ہے۔۔ آپ باہر سے بھی کوئی لڑکی لائیں گے تو اس کی بھی عمر اتنی ہی ہوگی یا ایک دو سال زیادہ ہوگی۔۔ لوگوں کی تو بات ہی نہیں کریں، عیشہ کی ماں کے بعد یا وریشہ کے بعد دونوں کو لوگوں نے تو نہیں سنبھالا تھا۔ گھر کی بات ہے۔۔ جب گھر والے راضی تو کیا کریں گے لوگ۔۔“ اس نے آرام سے کہا تھا۔
 دونوں خواتین کے دل کو بات لگی تھی۔

”مہوش ٹھیک کہہ رہی ہے آپا۔۔ آپ بتائیں آپ کیا کہتی ہیں۔۔؟“ امی نے تائی امی کو دیکھا، وہ ہنس دیں۔

”میرے لیے تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔۔ شہباز اور عیشہ اپنے اپنے بچے ہیں۔۔ اپنے گھر میں آنکھوں کے سامنے رہیں گے۔۔ وریشہ کے بعد اب عیشہ۔۔ حیرت ہے۔۔ مجھے پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔۔“ وہ خوش ہو کر کہہ رہی تھیں۔

”پھر آپ بھائی صاحب اور واجد سے بات کریں، میں شہباز اور اس کے ابا سے بات کرتی ہوں۔۔ گھر کی بات ہے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔“ مہوش نے جو ذمہ داری لی تھی، وہ با احسن نبھائی تھی، اب جو کرنا تھا ان خواتین نے کرنا تھا، وہ مسکراتے ہوئے خالی برتن اٹھا

کراٹھ کھڑی ہوئیں۔ بڑوں میں ہے۔۔۔ وہ مزے سے بتا رہی تھی، وہ ابھی

کھانے بے یقین تھی۔

☆☆☆

یہ بات جب عبداللہ صاحب کے کانوں تک پہنچی تو ان کا یہ مشورہ بہت پسند آیا۔ اسی شام انہوں نے واجد کو بلا کر بات کی تو وہ کتنی دیر تک چپ رہے۔ پھر کہنے لگے۔

”اماں جی! ایسے تو سب ٹھیک ہے مگر۔۔۔ عیشہ اور شہباز کی عمر میں بڑا فرق ہے۔۔۔ شہباز ایک بچے کا باپ ہے، نجانے عیشہ راضی بھی ہو کے نہیں“ وہ تذبذب ہوئے۔

”عمر کی تو کوئی بات نہیں۔۔۔ باہر بھی کریں گے تو نہیں عمر کوئی کتنی عمر والا شخص ہو۔۔۔ رہ گئی عیشہ کی بات تو اس سے میں خود ہی پوچھ لوں گی۔۔۔ تم اپنی مرضی بتاؤ۔۔۔“ اماں کی بات پر وہ مسکرا دیے۔

”حرج تو کوئی نہیں ہے۔۔۔ عیشہ کی رضامندی لے لیں، جو جی چاہے کریں۔۔۔ شہباز سے بڑھ کر ہمیں اور کیا چاہیے۔۔۔“

”ٹھیک ہے! میں عیشہ سے پوچھ کر رضامندی دے دیتی ہوں، آگے بچوں کی قسمت۔۔۔“ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔ تائی اماں نے عیشہ سے پوچھنے کی ذمہ داری مہوش کے ذمہ لگائی تھی، مہوش ہنس دی۔

شام کے کھانے کی تیاری کے دوران مہوش نے عیشہ کو اپنی سارے دن کی کارکردگی بتائی تو وہ کتنی دیر تک ہکا بکا رہ گئی۔

”کیا واقعی۔۔۔ یہ سچ ہے۔۔۔؟“ وہ بے یقین تھی۔

”ہوں۔۔۔“ مہوش نے اس کے رخسار پر چٹکی بھری تو وہ جھینپ گئی۔

”اتنی جلدی کسے ہو گیا یہ سب۔۔۔“ خوشی ہی ایسی تھی کہ وہ سرخ گلزار ہو گئی۔

”بس دعا دو ہمیں۔۔۔ کہا تھا نا کہ ہم پر چھوڑ دو۔۔۔ بس میں نے تائی امی اور امی کو رام ہی ایسے کیا ہے کہ خود بخود انہوں نے سارا معاملہ طے کر لیا۔۔۔ اب بات

رات شہباز گھر لیٹ آئے تھے، تقریباً سبھی سو چکے تھے، امی ان سے بات کرنے کی نیت سے جاگ رہی تھیں، کھانا انہوں نے کمرے میں ہی کھایا تھا۔ کھانے کے بعد امی نے وہ بات چھیڑ دی، جس کیلئے وہ اب تک جاگ رہی تھیں۔۔۔ اور پھر جب انہوں نے عیشہ کا نام لیا تو شہباز حیدر گنگ رہ گئے۔

”کیا۔۔۔ عیشہ۔۔۔؟“ وہ حیرت زدہ تھے۔

”ہوں۔۔۔ وریشہ کے بعد جس طرح اس نے فوزان کو

ہے۔۔۔“ ماں کے دو ٹوک انداز پر وہ کچھ دھیمے ہوئے،
تاہم بے چارگی نمایاں تھی۔
”کوئی بچی وچی نہیں ہے۔۔۔ پورے تیس سال کی
ہو چکی ہے۔۔۔ رہی عمر کی بات تو میاں بیوی میں عمر کا یہ
فرق عام ہے۔۔۔ سب چلتا ہے۔۔۔“ انہوں نے یہ
اعتراض فوراً رد کیا۔

”وہ غیر شادی شدہ ہے۔۔۔ مجھ شادی شدہ کے ساتھ کیسے ایڈجسٹ کرے گی، پھر مجھے بھی وہ بطور لائف پارٹنر پسند نہیں۔۔۔“ بے چارگی سے دوسرا اعتراض کیا۔

”اس کی رائے لے چکے ہیں۔۔۔ اسے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ فوزان کو وہ پہلے ہی سنبھال رہی ہے۔۔۔ رہ گئی پسند کی بات تو شادی کے بعد خود بخود پسند کرنے لگے گی۔۔۔“ ادھر سے جواب تیار تھا۔

’وہ بہت امیچور ہے۔۔ اس کے لئے اسی جیسا لڑکا چاہیے تھا۔۔‘ ٹکس کر پھر کہا تھا۔

’خیر سے شادی کے بعد تمہارے عادات و اطوار دیکھ کر خود ہی سنجیدہ ہو جائے گی۔۔‘ وہ تو جیسے پوری تیاری کر کے آئی تھیں، کسی اعتراض کو چند اہمیت نہ دی تھی، انہوں نے لب بھینچ لیے۔

’کوئی اور بھی اعتراض ہے تو وہ بھی کرلو۔ میں انکار نہیں سننے والی۔‘ شہباز حیدر نے انتہائی غصے سے نہیں دیکھا، آج وہ انہیں ذرا بھی محبت جتانے والی ماں لگیں۔

آپ بھلا کون سا میرے کسی اعتراض کو خاطر میں
رہی ہیں جو میں مزید بحث کروں۔“ شکایتی انداز میں
اُس کو دیکھا، وہ ہنس دیں۔

جب تم اعتراض ہی اوٹ پٹانگ کرو گے تو میں
ملا کیا خاطر میں لاؤں۔۔۔ خیر سے اپنے گھر کی بچی
ہے۔۔۔ پھر عیب سے پاک اور تم لگے کیڑے
مالنے۔۔۔“ انہوں نے گہرا سانس لیا۔

پھر میں تمہارے تایا جان کو ہاں کہہ دوں۔۔“ برتنوں
 ساڑے اٹھا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ماں کے ڈپلومیسی

پالا ہے، مانو تو اس نے دل جیت لیا ہے۔۔ آپا لوگ باہر اس کا رشتہ دیکھ رہے ہیں۔۔ نوزان جس طرح اس کے ساتھ ہل گیا ہے، دل ڈرتا ہے کہ پتہ نہیں اس شے کے بعد وہ سنبھل پائے کہ نہیں۔۔ پھر تمہاری طرف سے بھی دل دکھتا ہے، ہم نوزان کو سوتیلی ماں کے حوالے نہیں کرنا چاہتے مگر عیشہ کیلئے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی سلجھی ہوئی پنچھی ہے وہ۔۔ یوں کہوں کہ میری تو دل کی مراد بر آئی ہے۔۔ وہ خوش تھیں، بہت خوش۔۔ وہ براہم ہوئے۔

”آپ ہوش میں تو ہیں۔۔۔ عیشہ۔۔۔ مائی گاڈ۔۔۔ جسے میں آج تک چھوٹی چچی سمجھتا آ رہا ہوں، آپ اس کی بات کر رہے ہیں۔۔۔ سچ سچ بتائیں کہ یہ کس کی سازش ہے۔۔۔“ غصے سے جوجی میں آیا کہہ دیا۔

”ہیں۔۔ ہیں۔۔ یہ سازش کی خوب گہی تم نے۔۔ دل میں خیال تھا آپا اور بھائی صاحب سے بات کی، انہوں نے واجد اور عیشہ کی رضامندی لے کر ہاں کہہ دی۔۔ اب تم سے پوچھ رہی ہوں اور تم مجھے ہوش کا سنار ہے ہو۔“ شہباز حیدر کے انداز پر وہ بھی برہم ہو گئیں۔

”یعنی کہ مجھ سے پوچھے بغیر بڑوں تک بات پہنچ چکی ہے۔۔۔ یا اللہ۔۔“ وہ بے چارگی سے ماں کو دیکھتے رہ گئے۔

”منع کر دیں۔۔ مجھے نہیں کرنی عیشہ سے شادی“ شہباز نے فوراً منع کر دیا۔

’ارے کیوں منع کر دوں۔۔۔ عیشہ جیسی لڑکی چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملنے والی۔۔۔ گھر کی بات

ہے تقریباً سب طے ہے۔۔۔ بھائی صاحب نے ہاں کہہ دی ہے۔۔۔ اب میں شادی کی ڈیٹ طے کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گی۔۔۔“ شہباز کے ایک دم انکار نے نہیں کر دیا تو انہوں نے بھی دو ٹوک بات کی۔

امی پلیز۔۔ آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں۔۔ وہ بچی سی ہے۔۔ پھر میری اور اس کی عمر میں بہت فرق

انداز پر وہ کوفت کا شکار ہوئے۔

”مجھے نہیں پتا۔ مگر ایک بات طے ہے، مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔“ اندر کا ابال ایک دم اند آیا، امی نے غصے سے بیٹے کو دیکھا۔

”شہباز! والدین کے دل سے اس طرح نہیں کھیلے۔۔۔ وریشہ کا غم اب اتنا تازہ بھی نہیں کہ تم ہمیں نامراد لوٹاؤ۔ اتنے سال بہت تھے اب تو میرا خیال ہے کہ اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ عیشہ اور وریشہ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ خالہ مرجائے تو بھانجی، پھوپھی کی جگہ بیٹھی۔ دنیا میں ہوتا آیا ہے۔۔۔ کئی مثالیں ہیں۔۔۔ تم دنیا کے اکیلے نرالے تو نہیں ہو۔۔۔ میں انکار نہیں سننے والی، جا کر بھائی صاحب کو ہاں کہہ دیتی ہوں۔“ وہ غصے سے بھنا کر کمرے سے چلی گئیں۔

شہباز حیدر نے غصے سے سر ہانہ اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ جی چاہا ابھی جا کر عیشہ واجد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں، مگر وہ ضبط کر گئے، رات کے اس پہر وہ تو سوچکی ہوتی مگر شہباز حیدر انگاروں پر لوٹنے لگے۔

☆☆☆

شہباز حیدر کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی ایک چھوٹی سی لڑکی نے انہیں اذیت سے دوچار کر رکھا تھا، صبح نیچے ہلچل ہوئی تو وہ بھی کمرے سے نکل آئے، نیچے آئے تو ابھی کبھی اپنے کمرے میں تھے۔ وہ عیشہ کے کمرے کی طرف چلے آئے۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ ہینڈل گھمانے سے کھلتا چلا گیا تھا، وہ اندر داخل ہوئے تو فوزان بستر پر کبل پر لیٹا سو رہا تھا، اور وہ واش روم سے وضو کر کے نکل رہی تھی۔ اتنی صبح شہباز حیدر کو اپنے کمرے میں دیکھ کر چوکی۔

”آپ۔۔۔؟“ دوپٹہ وضو کے اسٹائل میں لپٹا ہوا تھا۔

”تم۔۔۔“ عیشہ کو دیکھ کر گزری رات کی اذیت نئے سرے سے تازہ ہو گئی۔ ایک دم طیش سے قدم بڑھائے۔ عیشہ شہباز حیدر کے تیور دیکھ کر پیچھے ہٹی تھی۔

”تم خود کو جھکتی کیا ہو۔۔۔ کہاں عذاب کی طرح مسلسل

میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔۔۔“ عیشہ کا گداز آستین چڑھا

زوان کی نولادی گرفت میں جکڑ لیا گیا تھا، عیشہ ان کے تیور دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔

”آپ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ چھوڑیں مجھے۔۔۔ پلیز۔۔۔“ گرفت اتنی سخت تھی کہ تکلیف سے بس چیخ نکلنے کی کسر تھی۔ اپنا بازو چھڑانا چاہا تو شہباز نے مزید طیش میں جا کر جھٹکا دیا تھا، وہ بری طرح دیوار کے ساتھ جا لگی۔

جان سے مار دوں گا تمہیں۔۔۔ پاگل لڑکی! تم نے امی اور تائی امی تک بات پہنچادی۔۔۔ جس کا میں تصور بھی کر سکتا۔۔۔ یہ ساری تمہاری سازش ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے اس طرح کرنے سے تم مجھ سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی۔۔۔ لعنت بھیجتا ہوں میں تم پر۔۔۔“ اس قدر غصیلے طیش بھرے لہجے میں دنیا جہاں کی نفرت تھی۔ حیران پھٹی پھٹی نگاہوں سے بازو کی ساری تکلیف بھولے پتھر بن گئی۔ اتنی نفرت۔۔۔؟ اس قدر ناپسندیدگی کا اظہار۔۔۔؟ وہ بے یقینی سے دیکھے گئی۔

”میرا خیال تھا کہ تم عقلمندی کا مظاہرہ کرو گی۔۔۔ کل رات جو بھی ہوا، میں تمہاری نادانی سمجھ کر نظر انداز کر گیا مگر اب۔۔۔ تم نے اپنی راہ میں خود کانٹے بوئے ہیں۔۔۔ بہت برا کروں گا میں تمہارے ساتھ۔۔۔“ شہباز کے اندر کا لاوہ کسی بھی طرح کم نہیں ہو پا رہا تھا، عیشہ کا خوف سے برا حال ہوا۔ شہباز حیدر کا یہ روپ پہلی دفعہ دیکھنے میں آ رہا تھا۔

”میں نے کیا کہا ہے۔۔۔؟“ وہ رو دی۔ کچھ بازو کی تکلیف اور کچھ شہباز کا خوف، آنسو ایک ایک کر کے چہرے پر گرنے لگے۔ کچھ لمحے پہلے اس نے وضو کیا تھا، چہرہ گیلا تھا، ٹھوڑی سے گردن تک سارے چہرے پر پانی کے قطرے چمک رہے تھے، سرخ و سپید چہرہ۔۔۔ جا بجا چمٹی کالے بالوں کی لٹیں۔۔۔ ایک لمحے کو اس کے رو دینے پر اس کی اس گہری آنکھوں میں موجود پانی دیکھ کر ساکت ہوا تھا، مگر اگلے ہی لمحے یہی ان کے اندر

وہ اک شخص جو کم کم میسر ہے ہم کو
آرزو ہے کہ کسی روز وہ سارا مل جائے
اسے کہنا کہ ملاقات ادھوری تھی وہ
اسے کہنا کہ کبھی آ کے دوبارہ مل جائے
حیدر صاحب کو اپنی بیگم صاحبہ سے شہباز حیدر کے
عیشہ کیلئے اعتراضات کا علم ہوا تو انہوں نے شہباز سے
خود بات کی، شہباز حیدر جنہوں نے امی کے سامنے
صاف انکار کیا تھا، باپ کے سامنے کچھ بھی نہ کہہ سکے۔
حیدر صاحب شہباز کے سامنے دنیا کی اونچ نیچ سمجھاتے
رہے، رشتوں کی نزاکت و اہمیت یاد کرواتے رہے۔
شہباز نے لب بھینچے باپ کی سب باتیں سنیں۔
”تو پھر میں بھائی صاحب کو ہاں کہہ دوں۔“ ایک
طویل لیکچر کے بعد انہوں نے بیٹے کے چہرے کا جائزہ
لیا۔ شہباز نے گہری سانس لی۔

”اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کا یہ فیصلہ درست ہے تو جو
جی چاہے کریں۔“ ان کے اس انداز میں بھی ان کے
جذبہات آشکار ہو گئے تھے۔ حیدر صاحب مسکرائے

”تمہیں فی الحال یہ مناسب نہیں لگ رہا مگر وقت
گزرنے کے ساتھ ساتھ تم خود ہمارے اس فیصلے کو
سرا ہو گے۔“ وہ اس کا کندھا تھپک کر چلے گئے تھے۔
شہباز حیدر نے لب بھینچ لیا۔

”کچھ سوچنے سوچتے انہوں نے
سرجھٹکا۔ باپ کے سامنے وہ بہت کچھ کہہ سکتے تھے مگر
عیشہ واجد کی پیش قدمیوں کو روکنے کیلئے انہیں صرف
یہی حل بھائی دیا تھا کہ فی الحال خاموشی اختیار
کریں۔ جو ہو رہا ہے ہونے دیں، عیشہ واجد سے
انہیں کوئی ذاتی پر خاش نہیں تھی مگر۔“

اگلے دن دونوں کی باقاعدہ بات طے ہو جانے
کی خبر پورے گھر میں پھیل چکی تھی، اوپر نیچے سب کو پتہ
چل چکا تھا۔ عیشہ یونیورسٹی سے واپس لوٹی تو چچی نے

”ابھی بے حیائی میں کوئی کسر باقی ہے۔۔۔ مائی
گاڈ۔۔۔ جو بات میں سوچتے ہوئے بھی لرز جاتا تھا وہ
بات تم نے کتنی آسانی سے بڑوں تک پہنچائی۔ نہ صرف
پہنچائی بلکہ میری کسی مرضی کو خاطر میں لائے بغیر سب
کچھ طے بھی پا گیا۔۔۔ صرف ایک دن میں۔۔۔“ ایک
لمحے کی کیفیت تھی، اگلے ہی لمحے اندرونی خلفشار نے
پھر غضبناکی کی ردا اوڑھادی۔

”پلیز چپ کریں۔۔۔ میں نے کسی سے بات نہیں
کی۔۔۔ قسم لے لیں۔۔۔ آپ مجھے بے حیائی کے طعنے
مت دیں۔۔۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں
کی۔۔۔ میرا جرم صرف اتنا ہے کہ آپ سے محبت کرنے
کی گنہگار ہوں۔۔۔ میرے جرم کو میری سزا تو موت
بنا میں۔۔۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
”کتنار لا رہا تھا یہ شخص اسے۔۔۔ اور اس شخص کو اپنے
برے رویے کا احساس تک نہ تھا۔“ شہباز حیدر نے
بھینچے ہوئے چہرے سے اس کے بازو سے اپنا ہاتھ
ہٹا لیا۔

”تو پھر بات اتنی آگے کیسے بڑھ گئی کہ امی میری رائے
کو اہمیت دے بغیر تم سے شادی کا فیصلہ سنا گئیں۔۔۔“
غصہ کسی طرح بھی کم نہیں ہو پا رہا تھا۔

”مجھے کیا پتہ۔۔۔ اپنی امی سے جا کر پوچھیں۔۔۔ میں نے
اگر ان سے ہی بات کرنا ہوتی تو اتنا عرصہ آپ کا یہ رویہ
برداشت نہ کرتی۔۔۔“ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے
سے رو دی۔ اس کی ہر ہچکی پر شہباز حیدر اسے کھا جانے
والی نظروں سے گھورے گیا۔

”تم کوئی بھی ڈرامے بازی کر لو۔۔۔ جو مرضی
لو۔۔۔ میں متاثر ہونے والا نہیں ہوں۔۔۔ نبٹ لوں گا
سے اچھی طرح۔۔۔“ شہباز حیدر نے اسے اچھی طرح
دھمکیوں سے ڈرا دھمکا کر باہر کی راہ لی تو عیشہ نے
ہاتھوں سے چہرہ اٹھا کر ملتے دروازے کو دیکھا۔ آنسو
ایک دفعہ پھر اس کے رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔

پاس بٹھا کر خوب پیار کیا۔ عیشہ تو کتنی دیر تک ورطہ حیرت میں غرق رہی۔ کل صبح کا شہباز حیدر کا رویہ اتنا آتش فشاں اور غضبناک تھا کہ وہ دہل گئی تھی، اور اب یہ ”ہاں“ وہ بے یقین تھی۔ پتھر اس کیلئے واقعی موم ہوا۔ تھایا پھر۔۔۔ جو خواب اس نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کیا وہ واقعی سچ ہو رہا تھا۔ مہوش کے کمرے میں پہنچی تو بھی بے یقین ہی رہی۔

”مہوش چچی! یہ رشتہ طے ہو گیا ہے۔۔۔ کیا واقعی۔۔۔ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔۔۔“
”یہ بالکل خواب نہیں ہے۔۔۔ رات ابونے خود شہباز بھائی سے بات کی تھی، پھر نیچے آکر تایا ابو وغیرہ سے یوں بات طے ہو گئی۔۔۔ اب تو باقاعدہ ہاں ہوئی ہے۔۔۔“

”مگر وہ شہباز۔۔۔ انہوں نے اعتراض تو کیا ہوگا۔۔۔“
”ہوں۔۔۔ بہت سے امی بتا رہی تھیں، مگر ابوکون سالن کے اعتراض ختم کرنے گئے تھے۔ انہیں بٹھا کر سمجھایا تھا۔ اور بس۔۔۔“ مہوش چچی کے اس جواب پر اس کے دل کے اندر خوف پیدا ہونے لگا۔
”اس کا مطلب ہے چھوٹے دادا جان نے انہیں مجبور کیا ہے۔۔۔“

”یہ تو مجھے نہیں پتا۔۔۔ البتہ صبح ناشتے پر منہ بڑا سنجیدہ بنایا ہوا تھا۔۔۔ میں نے چھیڑنا چاہا تو جھڑک دیا۔۔۔ پھر چائے پی کر نکل گئے تھے۔۔۔ مگر تم کیوں فکر کرتی ہو۔۔۔ تھوڑا بہت غصہ تو وہ دکھائیں گے ہی۔۔۔ ابو وغیرہ کہہ رہے تھے کہ شہباز کا کوئی بھروسہ نہیں۔۔۔ شادی نہیں تو نکاح کی تقریب تو ضرور کریں گے۔۔۔ یوں سمجھو تم دونوں کو پکی بیڑیاں ڈالنے کا ارادہ ہے۔۔۔“ مہوش نے آخر میں اسے چھیڑا تو وہ مسکرا بھی نہ سکی۔ شہباز راضی نہ تھے، صرف والدین کی وجہ سے چپ تھے، اسے یقین ہو گیا تھا۔

☆☆☆

رشتہ طے کیا ہوا، باقی سب کچھ آنا فانا طے

ہوتا چلا گیا۔ عبداللہ صاحب اور حیدر صاحب کی مشترکہ رائے کے مطابق منگنی کی بجائے ڈائریکٹ نکاح کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شہباز حیدر نے امی کو کافی روکا تھا، کہ بات طے ہو گئی ہے، کافی ہے، اس جھنجھٹ کی بھلا کیا ضرورت ہے۔۔۔ مگر وہ بھی سب کچے کام کرنے پر بضد تھے۔۔۔ کیا پتہ کب شہباز مگر جائے، بات طے ہونے کے بعد شہباز کا ایسا ہی رویہ تھا کہ سب کو ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خوش نہیں ہیں۔ خاص طور پر عیشہ تو ہر وقت ہوتی رہتی تھی۔ اسے کھونا محال تھا اور پانا اس سے بھی زیادہ۔

نکاح کی تقریب خاصی پر رونق تھی، قیوم کی شادی کے بعد اس گھر میں کوئی پہلی خوشی دیکھنے کو مل رہی تھی، سو سبھی خوش تھے۔ شہباز حیدر کا انداز وہی تھا۔ خاموش، سنجیدہ اور کچھ ناراض سا۔۔۔ وہ اس سارے شور شرابے پر خوش نہ تھے۔ مہوش عیشہ کو پارلر لے کر گئی ہوئی تھی، جب دونوں لوٹیں تو سبھی مہمان آچکے تھے۔ تقریب کا اہتمام صحن میں کیا گیا تھا، رات کا وقت تھا، روشنیوں کا خصوصی اہتمام تھا، سارا صحن جگمگا رہا تھا۔ عیشہ نکاح کے گولڈن مہرون شرارے میں بھاری جیولری کے ساتھ عام حلیے کے برعکس کوئی اور ہی چیز لگ رہی تھی، امی اور مہوش نے اسے خصوصی بنائے گئے اسٹیج پر لا بٹھایا تھا۔ وہ ہمیشہ سادہ سے حلیے میں دکھائی دینے والی عیشہ واجد آج پور پور سچی ہر ایک کی نگاہ کو خیرہ کر رہی تھی۔ وہ بہت کنفیوژ ہو رہی تھی، دل کی دھڑکن کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا، اس نے اپنی بہن شہلا کو مسلسل اپنے پاس بٹھائے رکھا۔ شہلا واجد کی دوسری بیوی کی اولاد تھی، اور بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔ نکاح کی تقریب کے بعد کھانے پینے کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ نکاح سے پہلے تک وہ مسلسل خوفزدہ تھی، نکاح کے بعد وہ ایک دم پرسکون و مطمئن ہو گئی۔ شہباز حیدر اب اس کا تھا، مکمل طور پر اس کا۔۔۔ یہ ایسی خوشی تھی کہ جس کی اس نے راتوں کو جاگ جاگ کر اپنے رب سے پوری ہونے کی دعا مانگی تھی،

اور آج رب نے اس کی دعا سن لی تھی۔ شہباز حیدر کو کھودینے کا احساس بہت پیچھے رہ گیا تھا۔
 ”السلام علیکم! کیسی ہیں عیشہ۔۔“ وہ اسٹیج پر بیٹھی اپنی سوچوں میں مگن تھی جب اس آواز پر ایک دم چونک کر دیکھا، اس کے سامنے ”محسن جاوید“ کھڑا تھا۔
 ”آپ۔۔“ وہ حیران ہوئی۔

”جی۔۔“ وہ مسکرایا۔ بہت بہت مبارک ہو، یہ یقیناً شہباز بھائی ہی تھے جن کیلئے آپ نے انکار کیا تھا۔ وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا، عیشہ نے گھبرا کر اپنے ساتھ بیٹھی شہلا کو دیکھا، جو محسن جاوید کو دیکھ رہی تھی دلچسپی سے۔ محسن جاوید کی پوری فیملی اس تقریب میں انوائٹ تھی، دادا جان کے جاوید صاحب سے تعلقات بہت دیرینہ تھے، رشتہ نہ ہونا الگ بات تھی، یہ تعلقات جوں کے توں تھے، اس تقریب میں محسن جاوید کو دیکھ کر حیران ضرور ہوئی تھی، مگر چونکی نہیں تھی۔

”بہت لگی ہیں شہباز بھائی۔۔“ وہ مزید کہہ رہا تھا۔
 ”ویسے آپ کی تعریف۔۔؟“ وہ اب شہلا کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”شہلا واجد۔۔“ اس نے مسکرا کر اپنا نام بتایا تھا۔
 ”اوہ۔۔ یعنی کہ واجد بھائی کی بیٹی۔۔“ اس نے عیشہ کو دیکھا تو اس نے سر ہلایا۔

”میں ذرا امی کے پاس چکر لگا لوں، پھر آتی ہوں۔“ اگلے ہی لمحے وہ اٹھ کر چلی گئی تھی۔

”آپ نے مجھ سے انکار کرتے ہوئے جھوٹ بولا تھا۔“ آپ کی کسی سے کمنٹ نہیں تھی۔۔“ محسن جاوید کی نظریں شہلا کے تعاقب میں تھیں جب عیشہ کی اس دھیمی آواز پر متوجہ ہوا۔

”آپ کو کس نے کہا۔۔؟“ دھیان سے پوچھا۔
 ”نوزان کے پاپا نے۔۔“

”مائی گاڈ۔۔ کتنا نیچرل انداز ہے۔۔“
 ”سچ سچ بتائیں عیشہ! آپ تو کہہ رہی تھیں کہ یکطرفہ محبت ہے مگر شہباز بھائی نے میرے انکار سے متعلق

درست خبر آپ کو کیسے دے دی۔۔“ وہ جھینپ گئی تھی۔
 ”یہ اب بھی یکطرفہ محبت ہے۔۔ بس گھر والوں کا تعاون تھا کہ آج یہ تقریب رونما ہو گئی ہے ورنہ ”اُن“ سے تو کوئی بعید نہیں۔۔“

شہباز، مہوش اور قیوم کے بعد یہ چوتھا شخص تھا جو اس کے دل کا راز پا گیا تھا۔ اس کا بے تکلف انداز عیشہ کو اچھا لگا تھا، سودوستانہ انداز میں اس نے بھی بتا دیا۔
 ”ویسے شہباز بھائی جانتے ہیں۔۔“ وہ پوچھ رہا تھا، اس نے گردن ہلا دی۔

”مگر مانتے نہیں ہیں۔۔“ اس کی آواز بھرا گئی، وہ ہنس دیا۔

”تو فکر کیوں کرتی ہیں۔۔ اتنا مضبوط تعلق بن گیا ہے دونوں میں۔۔ وقت کے ساتھ ساتھ مان جائیں گے۔۔“ اس نے اسے دلاسا دیا تو وہ سر ہلا گئی۔

”ویسے عیشہ! آپ کی بہن بھی آپ کی طرح بہت ہی پیاری ہیں۔۔ کیا خیال ہے۔۔؟“ اس کی اس بات پر اس نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔
 ”کیا مطلب۔۔؟“

”آپ کے لیے انکار پر امی ابواب تک مجھ سے ناراض ہیں۔۔ شہلا کو دیکھنے کے بعد سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ امی ابو کو راضی کر لوں۔۔ آخر کو رشتہ لے کر والدین ہی آتے ہیں۔۔“ عیشہ نے بے حد انسطاط و حیرت سے اسے دیکھا۔

”واقعی۔۔“ اس نے پوچھا تو اس نے فوراً سر ہلایا تھا۔ وہ پھر دو تین باتیں کر کے نیچے اتر گیا تھا، کھانے کے بعد نوٹو گرافی کا سلسلہ چل نکلا تھا، شہباز حیدر کو قیوم حیدر نے زبردستی عیشہ کے ساتھ لا بٹھایا تھا۔ واجد صاحب کا بیٹا دونوں کے مختلف پوز لینے لگ گیا تھا۔

”چاچو پلیز! چہرے پر سائل لائیں۔۔ یوں لگ رہا ہے جیسے آپ کو زبردستی بٹھایا گیا ہے مار کر۔۔“ وہ چھیڑ رہا تھا، شہباز حیدر کے چہرے کے سنجیدہ زاویوں میں مطلق فرق نہیں آیا تھا۔

تیزی سے ٹانگیں سمیٹیں، پھر چہرہ بھی جھکایا، شرم ایک دم درمیان میں آٹھری۔

”میں اب تک سمجھ رہا تھا کہ تمہاری دیوانگی ایک وقتی جذباتیت ہے، اسی لیے میرا خیال تھا کہ میرے رخ روئے، ڈانٹ پھنکار سے تمہیں عقل آجائے گی مگر۔۔“ ان کی بات عیشہ کو کچھ پلے نہ پڑی تھی، اوپر سے ان کا ٹھنڈا سنجیدہ لہجہ۔

”یہ رشتہ بظاہر جتنا مضبوط ہے اتنا ہی کمزور ہے۔۔ میں کبھی سنجیدہ نہ ہوتا اگر امی ابو اس قدر سنجیدگی سے اس معاملے میں انوالو نہ ہوتے۔ ہمارا نکاح میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور یہی بات میں تمہیں بتا رہا ہوں، مجھ سے تم کسی بھی قسم کی توقعات وابستہ مت کرنا۔ فوزان کے لیے تم میری زندگی میں داخل ہونا چاہتی تھی، میرے گھر والوں کا بھی یہی موقف ہے، اسی لیے تم آج سے فوزان کیلئے ہی مخصوص ہو۔۔ رہ گئی بات رخصتی کی تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ تم نے جس طرح قیوم اور مہوش کو اپنے ساتھ ملا کر یہ سارا ڈرامہ ایج کیا ہے، میرے دل میں تمہارے لیے جو تھوڑی بہت عزت افزائی تھی وہ بھی ختم ہو گئی ہے۔ تمہارے نزدیک رخصتی کی بات کوئی اہمیت رکھتی ہو مگر میرے لیے تم کل بھی کچھ نہیں تھی، آج بھی کچھ نہیں ہو، نہ ہی کل کچھ ہوگی۔“ عشی سے کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ عیشہ جیسے پتھر لگی تھی، کیا محبت کرنا واقعی جرم ہے۔ کیا اس نے شہباز حیدر سے محبت کر کے واقعی کوئی جرم کیا تھا۔ وہ بالکل ساکت تھی۔

”میں اب تک سمجھ رہا تھا کہ تم بچی ہو۔ اس عمر میں دل کے تقاضے انسان کو بری طرح خوار کرتے ہیں۔۔ میں شاید تمہاری کم عمری کا ایڈوائسج دے کر تمہاری طرف مائل ہو ہی جاتا اگر مجھے یہ سب علم نہ ہوتا کہ یہ سب کیا دھرا مہوش اور قیوم کا ہے، جو تمہارے لیے کر رہے ہیں۔۔“ اپنے کمرے میں بیٹھے وہ دونوں خود سے باتیں کر رہے تھے لیکن جس طرح وہ میرا ذکر کر رہے

”جیٹھ صاحب! اب ایسی بھی کیا سنجیدگی، اتنی چاندی پیاری دلہن آپ کو دے رہے ہیں مگر مجال ہے چہرے کے تاثرات بدل جائیں۔“ مہوش بھی سنجیدہ شکل پر تبصرہ کرنے سے باز نہیں آئی تھی، عیشہ کا دل تو شہباز کی قربت پر تمام دیواریں توڑ کر باہر آنے کو تھا۔ فوٹو گرائی کے بعد سلامی اور تحائف کا سلسلہ چلا تھا، رات کے بارہ بجے کے نزدیک تقریب اختتام کو پہنچی تھی، عیشہ کا ایک ہی زاویے سے بیٹھ کر برا حال ہو رہا تھا، کمر تختہ بن چکی تھی، مہوش اسے سہارا دے کر کمرے میں لے آئی۔

”سنو! اب کچھ نہیں اتارنا، میں آتی ہوں، شہباز بھائی بلارے تھے، ان کی بات سن لوں۔“ وہ اسے بٹھا کر چلی گئی تھیں، شہباز کے نام پر دل کی دھڑکن بڑی نرالی تھی، وہ خود ہی محبوب سی ہنس دی۔

”اور کتنی نفرت کریں گے مجھ سے آپ۔۔ میرے بن چکے ہیں۔۔ ایک دفعہ آپ کی زندگی میں آجاؤں پھر ساری نفرت دور کر دوں گی۔۔ صرف ایک دفعہ۔۔“ اپنے خیال پر وہ خود ہی شرمائی تھی۔ بیڈ کی پشت سے سرٹکا کر اس نے کمر بھی تکیوں سے ٹکا کر پاؤں سیدھے کیے۔ مہوش اسے بٹھا کر خود پتہ نہیں کہاں گم ہو گئی تھی، اس نے خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر کھٹکے کی آواز پر وہ متوجہ ہوئی۔

”مہوش چچی کہاں رہ گئی تھیں آپ۔۔ مجھے کپڑے بدلنے تھے۔۔“ تھکن سے برا حال ہو رہا ہے میرا۔۔“ آنکھیں کھولے بغیر وہ کہہ رہی تھی، مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

”آپ۔۔؟“ شہباز حیدر کو اپنے سامنے کھڑے خاموشی سے دیکھتے پا کر وہ فوراً سپدھی ہوئی تھی۔

”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔۔“ اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ اندر چلے آئے تھے، عیشہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا، حیرت سے شہباز حیدر کے انتہائی سنجیدہ چہرے کو دیکھے گئی۔ وہ بستر پر بیٹھے تو اس نے

”انہیں تمہارے متعلق یہ سب کیسے علم ہوا۔؟“ سختی سے باز پرس کی گئی تھی، وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔
”اس رات جب۔۔۔“ وہ آہستگی سے سب بتاتی گئی، وہ جسمکین نظروں سے سب سنتے رہے۔

”میں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں بتایا تھا، اس کے بعد جو بھی ہوا مہوش چچی نے ہی کیا تھا۔۔۔ دادی جان اور چچی جان سے بھی شاید انہوں نے ہی بات کی تھی۔۔۔“ سر جھکائے وہ اعتراف جرم کر رہی تھی۔

”دیکھ لیا اپنی کم عقلی کا نتیجہ۔۔۔ تمہاری ذرا سی لرزش لوگوں کو نجانے کس اندازہ میں سوچنے کا موقع دے رہی ہے۔۔۔ تمہیں شاید کوئی فرق نہ پڑے گا مگر مجھے اپنے کردار کی بڑی پرواہ ہے۔۔۔ جو ہو گیا وہ تو ایک طرف۔۔۔ آئندہ تمہاری طرف سے مجھے کچھ بھی اُلٹا سیدھا سننے کو ملا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔۔۔“ وہ غصے سے کہہ کر دروازہ کھٹاک سے بند کر کے چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد عیشہ کا کب کار کا ہوا سانس بحال ہوا۔

”مہوش چچی نے ایسی بات کیوں کی۔۔۔ کیا وہ نہیں جانتیں کہ یہ میرے یکطرفہ جذبات تھے، شہباز کا تو ان سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں۔۔۔“ اس دن کیلئے اس نے نئی راتیں جاگ کر دعائیں مانگی تھیں اور آج یہ رات نصیب میں آئی بھی تھی، تو دامن میں لاکھوں وسوسے، نظرات ڈال گئی تھیں، ابھی سے اتنا غصے والا انداز ہے۔۔۔ بعد میں پتہ نہیں کیا ہوگا۔۔۔“ اب وہ مستقبل کے خوف سے ہلکان ہونا شروع ہو گئی تھی۔

☆☆☆

گلے دن صبح ہوتے ہی وہ مہوش کے پاس جا پہنچی تھی، ان سے شہباز کا رویہ بتا کر اس طرح گفتگو کا سبب پوچھا تو وہ ہنستی چلی گئیں۔

”اتفاق ہوتا ہے اور تمہارے وہ صاحب بھی۔۔۔ کل صبح اچانک وہ ہمارے کمرے کے پاس سے گزرے تو مجھے شرارت سوچھی تھی، میں نے فوراً بات پلٹ کر ایسا کہنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ بن رہے

تھے تمہارے معاملے میں مجھے انوالو کر رہے تھے تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسی وقت تمہیں شوٹ کرادوں۔۔۔“ اپنے کردار کے معاملے میں وہ انتہائی جذباتی تھے، اب بھی ایک دم غصے سے کہا تو عیشہ جیسے ہوش میں آئی۔ لرز کر رہ گئی، ان کی آنکھیں۔۔۔ وہ تو دیکھ بھی نہ پائی۔

”وریشہ کے بعد تو میں نے کبھی کسی اور جانب نگاہ ہی نہ کی تھی، پھر بھلا تم جیسی کم عمر میچور لا اُبالی سی لڑکی کو کیسے اپنی طرف انوالو کر لیتا۔۔۔ میں نے تو ہر ممکن کوشش کی تھی کہ تم جو حماقت سرانجام دینا چاہتی ہو باز آ جاؤ مگر۔۔۔“ وہ سخت اضطراب کا شکار تھے، کمرے میں ٹہلنے لگے۔

”مہوش اور قیوم کے سامنے تم نے میرے متعلق کیا کہا تھا جو دونوں کہہ رہے تھے کہ شہباز بھائی آخر کب تک انکار کر سکتے ہیں۔۔۔ عیشہ جیسی لڑکی تو بڑے بڑوں کی سدھ بدھ کھو دیتی ہے، اگر وہ انوالو نہ ہوتے تو اتنی جلدی ہتھیار کیسے ڈال دیتے۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے کہ شہباز بھائی کا ہی کوئی طرز عمل عیشہ کو اس حد تک لے جانے کا سبب بنا ہے۔۔۔ بولو۔۔۔ کیوں انہوں نے یہ بات کہی۔۔۔ بولو۔۔۔ جواب دو۔۔۔“ وہ تو خود گنگ تھی، وہ کیا جواب دیتی، شہباز کا یہ سب الفاظ دہراتے غصے سے برا حال ہو رہا تھا، انہوں نے ہمیشہ ایسی زندگی گزاری تھی جو ہر طرح کے الزام سے پاک تھی، مگر عیشہ کے معاملے میں مہوش کی زبانی گفتگو سن کر اس کو سخت دھچکا لگا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ انہوں نے ایسا کیوں کہا۔۔۔ یقین کریں۔۔۔ میں نہیں جانتی۔۔۔“ شہباز سے تو وہ پہلے ہی خائف رہتی تھی، اب اس کا غصہ دیکھ کر مزید ڈر گئی، شہباز نے شعلہ بارنگاہوں سے اسے دیکھا۔ گولڈن مہرون شرارے میں وہ جیولری پہنے دلہن میک اپ میں ایک ایسی جیتی جاگتی قیامت لگ رہی تھی، شہباز حیدر نے سختی سے اپنے خیال کو جھٹک دیا۔ ایک نفرت کی نگاہ اس پر ڈالی

ہیں جان بوجھ کر ایسی باتیں کہی تھیں، صرف ان کو یہ باور کروانے کیلئے کہ اگر وہ اس طرح چپ رہ کر اپنی ناپسندیدگی اور ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں تو ہم بے خبر نہیں اور انہوں نے اس مذاق کو اپنے انداز میں لے لیا۔۔۔ اوہ مائی گاڈ۔۔۔ وہ ہنس رہی تھیں، عیشہ خاموشی سے دیکھ گئی۔

”مجھے پتہ نہیں تھا وہ اتنے احمق بلکہ بیوقوف ثابت ہوں گے، بجائے ہمارے اس تعاون پر ہمارا شکریہ ادا کرنے کے، وہ نئی جنگ چھیڑ کر بیٹھ چکے ہیں۔۔۔ کردار پر جب بات آتی ہے تو سب کو ہی غصہ لگتا ہے۔۔۔ یہی بات میں تمہارے حوالے سے انہیں بتانا چاہتی تھی مگر الٹی پڑ گئی ہے۔۔۔“

”پھر بھی آپ کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔۔۔ وہ اتنے غصے ہو رہے تھے مجھ پر کہ حد نہیں۔۔۔ نجانے کیا کچھ سخت سست کہتے رہے۔۔۔“ رات کی باتیں یاد آتے پھر سے آنکھیں بھر گئیں۔

”اوہو۔۔۔ رونا نہیں۔۔۔ میں خود بھائی صاحب سے بات کر کے معاملہ جکڑ لوں گی۔۔۔ تھوڑی بہت ان کی بھی برین واشنگ ہونے کی ضرورت ہے۔۔۔ دیکھو کیا کرتی ہوں، تم اب آرام سے رہو۔۔۔ نکاح ہو چکا ہے دونوں کا، کچھ نہیں کہیں گے وہ۔۔۔“ انہوں نے اسے پھر سے بہلا لیا تھا۔ مہوش نے شہباز سے بھی بات کی تھی، اس کا کیا رد عمل تھا، عیشہ کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ دو دن بعد وہ یونیورسٹی جانے کو تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو شہباز نیبل پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے، نکاح کے بعد پہلا تصادم تھا، اس رات کے بعد تو وہ ان کے سامنے آنے سے بھی ڈرنے لگی تھی، انہوں نے سرسری نظر ڈالی تھی۔ چچی امی نے اس کی بلائیں لیں، پھر ناشتہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ شہباز کے سامنے والی کرسی پر بیٹھے وہ خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھی، جب شہباز نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”شہباز بیٹا! آج سے عیشہ کو تم یونیورسٹی چھوڑ کر آیا

کر دو گے۔۔۔ خیر سے یہ تمہاری ذمہ داری ہے، یہ اکیلی کیوں آیا جایا کرے۔۔۔“ عیشہ نے حیران ہو کر چچی امی کو دیکھا، شہباز نے اس حکم پر ناگواری سے اسے دیکھا تھا، وہ فوراً سر جھکا گئی۔ وہ ہمیشہ اکیلی ہی یونیورسٹی کی بس میں ہی آتی جاتی تھی مگر آج۔۔۔

”مجھے دیر ہو رہی ہے۔۔۔“ اس وقت کچن میں ان تینوں کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا، اسی لیے شہباز حیدر نے اپنی ناگواری نہیں چھپائی تھی۔

”شہباز۔۔۔“ انہوں نے سختی سے ٹوکا تو عیشہ نے گھبرا کر دیکھا۔

”رہنے دیں چچی۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔۔۔ اور خود ہی تو جاتی ہوں۔۔۔ یونیورسٹی روٹ کی بس ہمارے روٹ سے ہی گزرتی ہے۔۔۔“ شہباز حیدر کے تیوروں سے خائف ہو کر اس نے فوراً مداخلت کی تھی۔

”پہلے کی بات اور تھی۔۔۔ جب گھر میں شوہر کی گاڑی کی سہولت موجود ہے تو پھر تم کیوں بسوں ویکوں میں خوار ہو۔۔۔ ویسے بھی اب تم شہباز کی ذمہ داری ہو۔۔۔“ اس نے کن آنکھوں سے شہباز کے چہرے کے تاثرات کی ناگواری جانچی۔

”میں گاڑی نکال رہا ہوں۔۔۔“ ماں کی بات کے جواب میں غصے سے کہہ کر وہ باہر نکل گئے تھے، عیشہ نے بے چارگی سے چچی کو دیکھا۔

”انہیں کوئی کام ہوگا۔۔۔ رہنے دیں۔۔۔“ وہ خود بھی شہباز کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی، مگر کہتی کسے۔۔۔“ ”کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ اپنے کام پر جاتے تمہیں بھی چھوڑ دے گا۔۔۔ تو قیامت نہیں آ جائے گی۔۔۔“ شہباز حیدر کے تیوروہ بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھیں، اسی لیے تو انہوں نے یہ نیا حکم نامہ نافذ کیا تھا۔ مرے مرے قدموں سے باہر آئی تو وہ منتظر تھے، گاڑی میں بیٹھے ہی انہوں نے تیزی سے گاڑی اشارت کی تھی، عیشہ ان کے بگڑے زاویے دیکھ کر ہلکتی رہی۔

”آج کے امی کے اس نئے حکم نامے کا میں کیا مطلب

”سمجھوں۔۔؟“ سرخ سنگل پر گاڑی رکی تھی، جب نہایت تلخ آواز میں پوچھا گیا تھا۔
”جی۔۔“ وہ کچھ نہیں سمجھی تھی۔

زور سے دروازہ بند کر کے لاک کیا تھا۔
”بکواس نہیں کرو۔۔ آرام سے بیٹھی رہو۔۔“ غصے سے گھورتے وارن کیا گیا تھا۔

”کیوں۔۔ جب آپ کو میرا وجود اتنا ہی ناگوار گزر رہا ہے تو جانے دیں۔۔ آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے والے۔۔ نہیں جاؤں گی میں آپ کے ساتھ کہیں۔۔ دروازہ کھولیں۔۔“ اپنی اس درجہ ہتک آمیزی اور عزت افزائی پر وہ بھی چنک اٹھی تھی، غصے سے روتے ہوئے شہباز حیدر کو دیکھا، جوبل بھینے اس کے اوپر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

”اس رات اتنی بری طرح بے عزت کر دیا حتیٰ کہ میرا کوئی قصور بھی نہ تھا۔۔ مہوش چچی کا مذاق میرے گلے بڑا اور اب آپ کی امی نے آپ کو کہا تھا میں نے منتیں نہیں کیں۔۔ آپ کے پاؤں نہیں پڑی تھی کہ مجھے بھی ساتھ لے کر جائیں۔۔ آپ نے فوزان کی وجہ سے یا کسی کے بھی کہنے پر مجھے برداشت کیا ہے تو ہر بار جتانے کی ضرورت نہیں۔۔ میں یہ اچھی طرح جانتی ہوں، پتھر ہیں آپ۔۔ میں سمجھتی تھی کہ پتھر کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے مگر آپ تو۔۔“ وہ بری طرح شدت سے رو دی۔

”دروازہ کھولیں۔۔ میں چلی جاؤں گی، روپے پیسے کے علاوہ تو میری ہر ذمہ داری میرے باپ نے نہیں سنبھالی آپ کیا سنبھالیں گے۔۔ پلیز دروازہ کھولیں۔۔ یہ احسان نہیں کریں مجھ پر۔“ غصے، بے بسی، جذباتیت کا بہاؤ اُترا تو بالکل چپ ہو گئی، مگر آنسو نہ رکے۔ اس کی عزت نفس پر یہ گہری چوٹ لگی تھی، جو تکلیف بھی شدید تھی۔ شہباز حیدر نے خاموشی سے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کی، وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرے ابھی بھی رو رہی تھی، اور پھر مسلسل روئی رہی۔ حتیٰ کہ شہباز نے اس کی یونیورسٹی کیپس کے سامنے گاڑی روک دی تھی۔ وہ اُترنے لگی، مگر دروازہ لاک تھا، رخ موڑ کر شہباز کو دیکھا۔

”دیکھو عیشہ۔۔ میں تمہاری اپنی زندگی میں اس حد تک بے جا مداخلت قطعی برداشت نہیں کروں گا۔۔ انسان کی برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔۔ میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میرے ساتھ یہ سب نہیں چلے گا۔ گھر والوں کی وجہ سے تمہیں فوزان کیلئے برداشت کرنے پر مجبور ہوں، تو میری اس مجبوری کو میری زندگی کا امتحان مت بناؤ۔۔ ورنہ پچھتاؤ گی۔۔“ انتہائی سخت لہجے میں دنیا بھر کی پزاری لیے انہوں نے اندر کی ساری نجی اس پرائنڈلی ٹھہرائی تھی۔

”میں نے چچی جان کو منع کیا تھا۔۔“ اپنی اس قدر عزت افزائی پر پہلے تو وہ ہکا بکار ہو گئی، پھر بھناگر کہا بھی تو آنسو پہلے اند آئے۔ ہر بار یہ شخص اسے رلا دیتا تھا۔ سنگل کھلنے پر شہباز نے گاڑی آگے بڑھالی تھی، عیشہ کو تسلسل سے آنسو بہاتے دیکھ کر وہ الجھا۔

”کیا لوگی چپ ہونے کا۔۔“ سرد آواز پر اس کے آنسو بھی ٹھہر گئے۔

”کیا مصیبت ہے۔۔ زندگی عذاب ہو کر رہ گئی ہے۔۔“ وہ اب خود سے بڑا رہا تھا، عیشہ کا دل پھر بھرا آیا، پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔ یہ بھی زندگی کا کیسا سا بھی تھا، پتھر۔۔ سنگدل۔۔ کٹھور۔۔

”عیشہ۔۔“ بے چارگی سے ایک طرف گاڑی روک کر اس کی طرف رخ کیا، انداز ایسا تھا کہ جیسے ایک بلی میں اسے کہیں غائب کر دیں گے۔۔ یا پھر۔۔“ وہ اس وقت ضبط کی انتہا پر تھے۔

”مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ کہیں۔۔ بس اگلے پل دیں یہیں۔۔ چلی جاؤں گی میں خود ہی۔۔“ اگلے پل دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا تھا، اس سے پہلے کہ وہ نیچے اُترتی، شہباز حیدر نے بھنا کر غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک کر

”چہرہ صاف کر داپنا۔“ اسی سخت، بے لچک انداز میں۔ ہور ہے تھے، اس لیے روز یونیورسٹی آنا پڑ رہا تھا۔ آج کہا گیا تھا، اور ساتھ ہی آگے بڑھ کر دروازہ ان لاک کیا تھا۔

”بے فکر رہیں، میرے رونے سے آپ کے کردار پر کوئی بات نہیں آئے گی۔“ اسی سخی سے اس نے جواب دیا۔

”عیشہ۔“ شہباز نے بری طرح ٹوک دیا۔ عیشہ جواباً ریلیکس موڈ میں گاڑی سے ٹیک لگائے، سن گلاسز پر وہ کیے بغیر سر جھٹک کر گاڑی سے اتر گئی تھی۔

☆☆☆

شہباز حیدر کیلئے عیشہ کی موجودگی ناقابل برداشت تھی تو عیشہ نے بھی خود کو اتنا مضبوط کر لیا کہ شہباز حیدر کا ہونا یا نہ ہونا اس کیلئے ایک برابرہ گیا۔ وہ اس سے محبت ضرور کرتی تھی، دونوں کے درمیان ایک مضبوط تعلق تھا، سو وہ مطمئن تھی، اور یہی اطمینان اس دن کے بعد جب شہباز کی گاڑی میں بھی کے بعد اس کے ہر انداز سے پھلکنے لگا تھا، اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب شہباز حیدر کو اپنی اس درجہ تذلیل کرنے کا موقع نہیں دے گی۔ اس نے بھی خود کو جان بوجھ کر بے حسی کی چادر اوڑھادی تھی، فوزان کی ذمہ داری وہ اب بھی پوری خوش اسلوبی سے نبھاتی تھی، مگر شہباز حیدر کے سلسلے میں اس نے مکمل لائق اختیار کر لی تھی، ایک گھر میں رہتے ہوئے سب کی موجودگی میں یہ ممکن تو نہ تھا مگر شہباز حیدر کے سلسلے میں اس نے یہ ممکن کر لیا تھا۔

محسن جاوید کا رشتہ شہلا واحد کے لیے آیا تھا، ویسے تو یہ سب کیلئے حیرت کی بات تھی مگر عیشہ کو شاید اس رشتے کی امید تھی، اور پھر بڑوں میں یہ رشتہ فائل ہو گیا تھا۔ دونوں طرف سے باقاعدہ ممکنہ کا ارادہ تھا، ممکنہ کے دنوں میں وہ فوزان سمیت واحد صاحب کے ہاں چلی آئی تھی، یونیورسٹی میں سے چلی جاتی تھی، فوزان بھی پابندی سے اسکول جا رہا تھا، ممکنہ کی تقریب تین دن بعد تھی، ہفتہ ہو گیا تھا اسے یہاں آئے ہوئے۔ آج کل اس کے بہت ضروری پریکٹیکل

”آپ کے انتظار سے گھبرا کر میں آپ کو لینے آ گئی ہوں۔“ شہباز بھائی یونہی آئے تھے، میں نے چلنے کو کہا تو چلے آئے۔ اب فٹافٹ بیٹھیں، پہلے ہی بڑی دیر ہو چکی ہے۔“ شہلا کی بات پر اس نے ایک گہری سانس لی، ورنہ شہباز حیدر کی غیر متوقع آمد پر نجانے دل خوش فہمیوں کے کن سمندروں میں ڈبکی لگا آیا تھا، سخی سے مسکرا کر وہ آگے بڑھی، فرنٹ ڈور کھلا ہوا تھا، وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

”فوزان۔“ آپ اسکول سے کب آئے۔ اور یہ یونیفارم بھی نہیں بدلا۔“ پچھلی طرف رخ کر کے اس نے فوزان سے پوچھا تھا۔

”یہ ایک بجے ہی آ گیا تھا، دادا جان عدیل وغیرہ کو لینے گئے تو ان کے ساتھ چلا گیا تھا، دو بجے کے قریب شہباز بھائی اسے ہی چھوڑنے آئے تھے، کہہ رہے تھے کہ آپ کے پاس آنے کی ضد کر رہا تھا۔“ شہلا نے ہی جواب دیا تھا۔

ڈانٹتی ہیں، پاپا! ماما گندی ہیں۔۔۔“ فوزان کو ڈانٹ کا

بڑا پتا تھا، فوراً واک آؤٹ کر جاتا تھا، اب بھی عیشہ کے ڈانٹنے پر برے برے منہ بناتا اس کی گود سے نکل کر شہباز کی گود میں جا بیٹھا تھا۔ شہباز نے گاڑی ڈرائیو کرتے اس کے گرد بازو لپیٹ کر سیدھا کیا تھا، پھر مسکرا کر دیکھا۔ عیشہ چپ کر کے باہر دیکھنے لگی۔ شہباز نے اپنی ضروری شاپنگ کرنی تھی، اس نے وہ کی تھی۔ شہباز حیدر نے فوزان کے لیے کچھ کپڑے کھلونے اور ضروری چیزیں لی تھیں،

پھر سردیوں کا موسم تھا، اسی مناسبت سے کپڑے خریدے تھے، شہباز کے بار بار کہنے پر بھی عیشہ نے کچھ نہیں لیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اس کے پاس پیسے نہیں تھے، دادا جان واجد صاحب، دادی امی، سب ہی اسے اکثر پیسے دیتے رہتے تھے، اس وقت بھی اچھے خاصے میسے تھے مگر دل جب نہ مانتا ہو تو کچھ چیز بھی اچھی نہیں لگتی، شہباز حیدر ہوتے تو شاید کچھ لے لیتی مگر اب دل میں کوئی جذبہ نہ تھا، پھر اس کے پاس اچھے خاصے کپڑے موجود تھے۔ نکاح کیلئے پانچ چھ اچھے خاصے قیمتی فینسی ڈریس چچی جان نے بنوائے تھے، وہ بغیر چھوٹے بڑے ہوئے تھے، وہ مطمئن تھی، کہ ان میں سے کوئی ایک پہن لے گی۔ وہ دونوں جیولری کی دکان

میں تھیں، جب شہباز فوزان کو ان کے پاس چھوڑ کر خود چلا گیا تھا، ایک گھنٹے بعد ان کی آمد ہوئی تھی، ان کے ہاتھ میں کئی شاپرز تھے، شاید انہوں نے اپنے لیے شاپنگ کی تھی، شہباز کی شاپنگ مکمل تھی، صرف شہباز کا انتظار تھا، شام ہو رہی تھی، عیشہ کا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا، صبح سے پیٹ میں سلاکس اور ایک چائے کے کپ کے علاوہ کچھ بھی نہیں گیا تھا، اوپر سے یہ بازار کی خریداری۔۔۔ سارا دن باہر گزار کر اب اس کا جسم درد سے چور ہو رہا تھا۔

واپسی میں شہباز ان کو ایک ریسٹورنٹ میں لے آئے تھے، عیشہ سیدھا گھر جانا چاہتی تھی، اسے

”کھانا کھایا تھا۔۔۔؟“

”دادو نے کھلا دیا تھا۔۔۔ پھر پاپا نے آکس کریم کھلائی تھی۔۔۔ ماما میں آگے آ جاؤں۔۔۔؟“ اس کے مسکرا کر سر ہلانے پر وہ سیٹ کی بیک سے جگہ بنا کر اچھل کر آگے آ گیا تھا، اس کی جھولی میں بیٹھ کر بتانے لگا۔

”ماما۔۔۔ بابا نے پراس کیا ہے کہ وہ آج مجھے شاپرز سے اچھے اچھے کپڑے لے کر دیں گے۔۔۔ کھلونے بھی اور بڑا سا جہاز بھی۔۔۔“ فوزان کے چہرے کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی، وہ مسکرا دی۔

”پاپا ماما کے بھی اچھے اچھے کپڑے لیں گے اور آپ کے بھی۔۔۔“ اس کے مسکرانے پر وہ فوراً گاڑی ڈرائیو کرتے شہباز کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ عیشہ نے فوراً رخ بدل لیا، باہر دیکھنے لگی، اس دن کے بعد اس نے اس شخص سے بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔

”ہوں۔۔۔“ شہباز نے بیٹے کے جواب میں کہا تھا۔

”ماما۔۔۔ آپ کیسے کپڑے لیں گی۔۔۔؟ بالکل ویسے لیجئے گا جیسے آپ نے اس دن پہنے تھے جب آپ دلہن بنی تھی نا۔۔۔ پاپا ہم ماما کے دلہنوں والے کپڑے لیں گے۔۔۔ ہیں نا۔۔۔؟“ وہ شہباز کے ساتھ ساتھ اس کا بھی سر کھارہا تھا۔ عیشہ ایک دم خفت سے دوچار ہوئی۔

”فوزی چپ کر کے بیٹھو۔۔۔“ اس نے ٹوک دیا۔ بڑی باتیں کرتی آگئی ہیں تمہیں۔۔۔“ شہباز حیدر نے رخ موڑ کر اسے دیکھا، سرخ خفت سے دوچار چہرے پر برہمی کے آثار تھے۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی شہباز عیشہ کے فوزان کو ڈانٹنے پر ہنس دی۔

”بھلا بچے بیچارے کو کیوں ڈانٹ رہی ہو۔۔۔ اس میں اس کا کیا قصور۔۔۔؟“

”بڑا تیز ہوتا جا رہا ہے یہ۔۔۔“ منہ بسورتے فوزان کو دیکھ کر اس نے اپنی خفت سنائی تھی، ہلکی سی چپٹ لگائی تھی، اس کا منہ پھول گیا۔

”مجھے نہیں بیٹھنا آپ کے پاس۔۔۔ گندی ہیں۔۔۔“

ہوٹلوں کی یہ عیاشی کبھی اچھی نہ لگی تھی مگر اب کیا کہہ سکتی تھی، اس نے شہباز حیدر سے کبھی نہ بولنے کی قسم کھائی تھی، بھوک سے برا حال ہونے کے باوجود عیشہ واحد نے ایک لقمہ بھی نہیں لیا تھا۔ فوزان شہلا نے اس کتنی مرتبہ کچھ نہ کچھ کھالینے کا اصرار کیا تھا، مگر پانی کے ایک گلاس کے علاوہ اس نے حلق سے کچھ بھی نہ اُتاتا تھا۔ شہباز حیدر اسے فوزان کی وجہ سے اپنی زندگی میں شامل کرنے پر مجبور ہوا تھا، وہ جان گئی تھی سو اس نے خس کو فوزان کی حد تک محدود کر لیا تھا، وہ اس شخص کا کوئی احسان نہیں لینا چاہتی تھی، واپسی کا سفر وہ شام کے اندھیرے میں کچھ نہ کچھ کھو جتی رہی تھی۔ فوزان اس کو گود میں تھا، وہ سارے دن کی تھکن کی وجہ سے سو رہا تھا، شہلا اور شہباز کوئی نہ کوئی بات کرتے رہے تھے، جبکہ وہ بالکل گم صم تھی۔ آج شہباز حیدر جب تک ان کے ساتھ تھا قدم قدم پر اس کی موجودگی عیشہ کو ڈسٹرب کرتی رہی تھی مگر اس موجودگی میں بھی لا تعلق تھی اور اسی لا تعلق نے عیشہ واحد کے اندر کی رہی سہی طاقت بھی سلب کر لی تھی۔ گھر آکر اس نے سوئے ہوئے فوزان کو اٹھا کر سنبھال کر گاڑی سے قدم باہر رکھے تھے۔ جب شہباز نے دوسری طرف آکر اس کے بازوؤں سے فوزان کو لے لیا تھا، وہ لب بھینچ کر اپنا بیگ کتابیں اور فائل لے کر سیدھی اپنے کمرے کی طرف آئی تھی، جو اس گھر میں اس کیلئے مخصوص تھا۔ شہباز حیدر فوزان کو اٹھائے دوسرے ہاتھ میں مختلف شاپنگ بیگز سمیٹے چلے آئے تھے، فوزان کو بستر پر لٹا کر انہوں نے شاپنگ بیگز بھی بستر پر ڈھیر کیے۔ ان سب میں فوزان کی شاپنگ تھی مگر سبز رنگ کا وہ شاپنگ بیگ اس کو اٹھا کر شہباز نے اس کی طرف بڑھایا تھا، وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔ ”یہ میں نے تمہارے لیے خریدا تھا۔“ عیشہ کے ہونٹوں پر بخئی آنکھیں تھیں۔

”کیوں۔۔؟“

شہباز نے بغور دیکھا، اس دن کی رونی بسورتی عیشہ کے

برعکس کچھ مختلف سی لگی۔

”فوزان کیلئے کی بھی تو ظاہر ہے تمہارے لیے بھی کی ہے۔۔ کیوں کا کیا سوال۔۔؟“ انہوں نے رعب سے کہا تھا مگر وہ ان کے رعب میں اب نہیں آنے والی تھی۔

”پلیز مجھ پر یہ احسان کرنے کی ضرورت نہیں۔۔ اپنا یہ شاپنگ بیگ اٹھائیں اور لے جائیں۔۔ مجھے آپ کی یہ خیرات نہیں چاہیے۔۔“ اگلے ہی لمحے وہ غصے سے پھنکاری تو شہباز نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔۔“ اگلے ہی لمحے ان کا ازلی غصہ عود کر آیا۔ خاص طور پر خیرات کے لفظ پر۔

”جی الحمد للہ۔۔ مکمل ہوش و حواس میں ہوں اور مجھے اپنی اوقات بھی اچھی طرح یاد ہے۔۔ میں نے اپنی سی پوری کوشش کی تھی کہ بھولے سے بھی آپ کے منہ لگنے کی کوشش نہ کروں مگر آپ مجبور کرتے ہیں۔۔ میرے لیے میرے باپ کا پیسہ کافی ہے۔۔ آپ اپنی یہ ”خیرات“ کسی اور کی جھولی میں جا کر ڈالیں۔۔“ وہ تو دودھاری تلوار بنی ہوئی تھی۔ شہباز حیدر غم و غصے سے دیکھے گئے۔

”عیشہ۔۔“ خیرات کے لفظ پر وہ بری طرح دھارے تھے، وہ سر جھٹک گئی۔

”مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے ہی تو کہا تھا کہ آپ مجھے اپنے گھر والوں کی وجہ سے صرف فوزان کی وجہ سے اپنانے پر مجبور ہوئے ہیں، اور میں صرف فوزان کیلئے مخصوص ہوں۔۔ آپ کے نزدیک میری ذات کی کوئی اہمیت نہیں۔۔ تو اب یہ عنایت کیوں۔۔ اس لیے کہ آپ اپنے بیٹے کیلئے مجھے اپنانے پر مجبور ہوئے تھے اور اپنے بیٹے کے حصے کی بچی کچی خیرات میری جھولی میں ڈال کر احسان کرنا چاہتے ہیں۔۔ میں نے تو اس دن کے بعد آپ کی راہ میں آنا، آپ کی طرف دیکھنا تو دور کی بات، اس راہ پر آنا تک چھوڑ دیا ہے۔۔ جہاں مجھے گماں گزرتا ہے کہ آپ کی

موجودگی ممکن ہے۔۔ تو پھر یہ عنایت کیوں۔۔؟“
شہباز حیدر غصے سے اسے دیکھے گئے۔

”بس تمہارا دماغ خراب ہے، خناس بھرا ہوا ہے اس میں اور کچھ نہیں۔۔“ غصے سے شاپنگ بیگ بستر پر پٹختے وہ باہر نکل گئے تھے کہ عیشہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر وہ شارپ اٹھایا تھا، ان کے پیچھے لپکی تھی، وہ بغیر رکے اپنی گاڑی کی طرف چل رہے تھے۔

”کیا ہوا۔۔؟“ وہ بھی تیزی سے ان کے پیچھے بھاگی تو پیچھے سے شہلانے آواز دی مگر وہ پلٹے بغیر ان تک پہنچی تھی، وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکے تھے۔

”مجھے اس خیرات کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔۔ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔۔ نہ ہی مجھے آپ کی اس نام نہاد نفرت کی ضرورت ہے، جس کا راگ آپ الاپتے رہتے ہیں، اتنی ہی بری لگتی ہوں تو مجھے میری ذات کو تسلیم کرتے ہوئے میری برائیوں کا ذکر کریں۔۔ میں اُف کر گئی تو کہیں گا۔۔ مگر اس بے وجہ کا ٹھکرائے جانا برداشت نہیں کروں گی۔۔ اپنے جذباتوں سے ہار کر آپ کا نام اپنے مقدر میں لکھوایا ہے تو اس خیرات سے بڑھ کر حق طلبی کرنے کا حق رکھتی ہوں۔۔ اگر دینی ہی ہے تو مجھ پر فرض ہے، یہ خیرات نہیں۔۔“ ان کی طرف آ کر کھڑکی میں جھک کر سب کہہ کر شاپنگ بیگ اندر پھینک کر وہ رکی نہیں تھی، تیز رفتاری سے پلٹ بھی گئی تھی۔ وہ گم صم، حواس باختہ حیرت زدہ دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

اقرار گئے، انکار گئے، ہم ہار گئے
جینے کے سب آثار گئے، ہم ہار گئے
کچھ یادیں اس کی بیج سمندر ڈوب گئیں
کچھ سنئے اپنے رہ اس پار گئے ہم ہار گئے
اک عمر رہے ہیں جیت سے بے پرواہ لیکن
جب جیتنا چاہا جیون وار گئے ہم ہار گئے

وہ ابھی تک حیرت زدہ پریشان اور گم صم تھے۔ وہ جس لڑکی کو کبھی کسی خاطر میں نہیں لائے تھے، جسے ہمیشہ ڈانٹ کر کم عقل، نادان لڑکی سمجھتے رہے تھے، وہ اب ان کی شکست کا باعث بنتی جا رہی تھی، اور وہ بھی بری طرح حیرت زدہ تھے۔ ابھی تک گم صم تھے، سمجھ نہیں پا رہے تھے جو اک عرصے سے حفاظتی اقدامات کرتے رہے تھے، جو حفاظتی بل باندھتے آ رہے تھے، وہ ایک دم کیوں ٹوٹتے جا رہے ہیں۔۔ ان دیکھی خواہشیں، پیچیدہ کامنہ زور ریل ان حفاظتی بندھنوں اور تختوں کی پرواہ کیے بغیر اب سب کچھ بہالے جانا چاہ رہا تھا۔ کیوں۔۔ وہ ایک دم اچانک کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔۔ جذبے اس قدر منہ زور تھے، یا حفاظتی اقدامات بے حیثیت تھے، وہ ابھی تک حیرت زدہ تھے۔ وہ سچ بچ جا رہے تھے، یا ابھی کوئی موقع باقی تھا۔ گزرے لمحوں کا حساب کرتے وہ خود سے بھی بے پرواہ ہو رہے تھے۔

کل شہلا کی رسم منگنی تھی، اس وقت سب ادھر گئے ہوئے تھے مگر وہ بہت چاہنے کے باوجود ادھر نہیں جاسکے تھے، ادھر وہ بھی ان کی شکست کا سامان۔۔ جسے انہوں نے بار بار لایا تھا، اور خوب رلایا تھا، جسے اپنے لفظوں جملوں، طنز کے نشتروں سے بار بار گھائل کیا تھا، جو ہر بار ان کے ہاتھوں بری طرح تخیل شق بنتی تھی، ہتک کے ساتھ ذلت کا احساس اٹھاتی تھی۔ اپنے اندر کے کسی ہار جانے والے خدشے کے سر اُبھارنے سے پہلے ہی وہ اسے بے عزت کر کے رکھ دیتے تھے، اور پھر بھی دلی مطمئن نہ ہو پاتا تھا، ہار تو جیسے نصیب میں لکھی جا چکی تھی، وہ اس کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی، وہ ان کی بن چکی تھی، وہ ان کی زندگی میں اپنا نام منوا چکی تھی، پھر بھی وہ اسے ٹھکرا دیتے تھے۔ ہر بار دھتکار دیتے تھے، اور ہر بار دھتکار دینے کے بعد خود بھی تکلیف سے دوچار ہو جاتے تھے کہ ان کی طبیعت کا رنگ نہ تھا۔
وریشہ عبداللہ ان کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی

تھی، جو صرف ان کی تایا زاد ہی نہیں، محبت بھی تھی، اور پھر وہ ان کی زندگی میں ایک خاص رشتے سے داخل بھی ہو گئی۔ لیکن اس کی زندگی نے وفانہ کی، تین سال کے مختصر وقفے میں ان کی زندگی میں گل و گلزار کے باغات آباد کرنے کے بعد بے آباد بھی کر گئی۔ وریشہ کے بعد وہ ٹوٹ کر بکھرے تھے، وقت سب سے بڑا مرہم ہے فوزان کو عیشہ نے سنبھال لیا اور وہ اپنی ذات میں گم ہوتے چلے گئے، گھر والوں سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شادی کا اصرار بڑھا تو انہوں نے چپ اڑھلی۔ وریشہ کے بعد ان کا دل مردہ سا ہو گیا تھا، اصرار بڑھا تو انہوں نے فوزان کا بہانہ کر کے نالنا شروع کر دیا۔ وقت رکنے کا نام تو نہیں۔۔۔ ہر زخم کا علاج ممکن ہے اور قدرت نے ان کے سامنے عیشہ واجد کو لا کھڑا کیا، جو ہو بہو وریشہ کی کاپی تھی۔ شکل و صورت سے لے کر عادات و اطوار میں بھی اس جیسی، وہ سارے خاندان کی ہر لعزیز اور محبوب لڑکی تھی۔ مگر باپ کی طرف اے بے اعتنائی کا شکار۔۔۔ واجد صاحب اس کا ہر لحاظ سے خیال رکھتے تھے مگر اولاد کو جو خصوصی توجہ والدین سے ملتی ہے، وہ دینے سے رہ گئے تھے۔ اس بات کا احساس سب کو تھا، اور بھی اس کا خاص خیال رکھتے تھے، وہ پڑھنے کی شوقین تھی، سو ہر کسی نے اس کی پڑھائی کا خاص خیال رکھا تھا، وہ فوزان کے معاملے میں حد سے زیادہ حساس اور پٹی تھی تو سب نے اسے فوزان کی ذات میں گم ہونے سے نہیں روکا تھا۔ اور شاید یہیں سے غلطی کی ابتداء ہوئی تھی، اور جب شہباز حیدر کو غلطی کی سنگینی کا احساس ہوا، وقت بہت گزر چکا تھا، عیشہ واجد کے دل و دماغ میں ایک واضح تشبیہ اُتر آئی تھی، اور جب انہیں اپنے شک کے یقین ہونے پر مہر ثبت ہوئی تو انہوں نے حفاظتی اقدامات کرنے شروع کر دیے تھے۔ وہ اس ننھی سی لڑکی سے ڈر گئے تھے، جس کی گہری آنکھوں کے سمندر میں ان کی شکست کا سامان کرنے کیلئے کافی ہو سکتے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ

جسے وہ ان کی ذات کے گرد کھڑی بلند و بالا فصیلوں کو دھانے کے چکر میں ہے اور ہر بار اس سے سامنے کے بعد وہ اپنے گرد موجود فصیلوں کو مزید بلند کر لیتے تھے، وہ پتھر نہیں تھے مگر خود کو پتھر بنانے پر مجبور تھے۔ وہ بے حس نہیں تھے، مگر اپنی بے حسی کا مظاہرہ کرنے میں ہی انہیں عیشہ واجد کی بھلائی دکھائی دے رہی تھی، ایسے فوزان کو عیشہ نے سنبھال لیا اور وہ اپنی ذات میں گم ہوتے چلے گئے، گھر والوں سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شادی کا اصرار بڑھا تو انہوں نے چپ اڑھلی۔ وریشہ کے بعد ان کا دل مردہ سا ہو گیا تھا، اصرار بڑھا تو انہوں نے فوزان کا بہانہ کر کے نالنا شروع کر دیا۔ وقت رکنے کا نام تو نہیں۔۔۔ ہر زخم کا علاج ممکن ہے اور قدرت نے ان کے سامنے عیشہ واجد کو لا کھڑا کیا، جو ہو بہو وریشہ کی کاپی تھی۔ شکل و صورت سے لے کر عادات و اطوار میں بھی اس جیسی، وہ سارے خاندان کی ہر لعزیز اور محبوب لڑکی تھی۔ مگر باپ کی طرف اے بے اعتنائی کا شکار۔۔۔ واجد صاحب اس کا ہر لحاظ سے خیال رکھتے تھے مگر اولاد کو جو خصوصی توجہ والدین سے ملتی ہے، وہ دینے سے رہ گئے تھے۔ اس بات کا احساس سب کو تھا، اور بھی اس کا خاص خیال رکھتے تھے، وہ پڑھنے کی شوقین تھی، سو ہر کسی نے اس کی پڑھائی کا خاص خیال رکھا تھا، وہ فوزان کے معاملے میں حد سے زیادہ حساس اور پٹی تھی تو سب نے اسے فوزان کی ذات میں گم ہونے سے نہیں روکا تھا۔ اور شاید یہیں سے غلطی کی ابتداء ہوئی تھی، اور جب شہباز حیدر کو غلطی کی سنگینی کا احساس ہوا، وقت بہت گزر چکا تھا، عیشہ واجد کے دل و دماغ میں ایک واضح تشبیہ اُتر آئی تھی، اور جب انہیں اپنے شک کے یقین ہونے پر مہر ثبت ہوئی تو انہوں نے حفاظتی اقدامات کرنے شروع کر دیے تھے۔ وہ اس ننھی سی لڑکی سے ڈر گئے تھے، جس کی گہری آنکھوں کے سمندر میں ان کی شکست کا سامان کرنے کیلئے کافی ہو سکتے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ

کو بری طرف نفرت کا اظہار کرتے دھتکار دیا تھا، کچھ عیشہ واجد کے بھرپور صاف اظہار نے اس کے اندر آتش فشاں کو گویا بارود دکھا دیا تھا، وہ خود بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں مگر خود کو کچھ بھی نفرت انگیز کہنے سے باز بھی نہیں رکھ سکے تھے۔ اور تب تو حد ہی ہو گئی تھی جب انہوں نے عیشہ کے منہ پر اپنا ہاتھ اٹھتا دیکھا تھا۔

”پلیز شہباز۔۔ میرے ساتھ یوں پیش نہیں آئیں۔۔ مجھے اتنی نفرت سے مت دھتکاریں، میں آپ کو کب مجبور کر رہی ہوں کہ میری محبت قبول کریں، کم از کم فوزان کیلئے تو اپنی زندگی میں اتنی جگہ دے دیں۔۔ قسم سے ساری زندگی کچھ نہیں مانگوں گی۔۔ مگر آپ کی نفرت نہیں سہہ سکتی۔۔ پلیز شہباز۔۔“ وہ اس کا نام لے کر انہیں پکار رہی تھی، جس لڑکی کو انہوں نے ہمیشہ اپنی جیتی کے روپ میں دیکھا تھا، اس کے منہ سے یہ اظہار، یہ التجا کیسے برداشت کر لیتے۔ وہ بری طرح رو رہی تھی، سسک رہی تھی، وہ کمرے سے نکل گئے تھے اور پھر سارا دن انہوں نے بہت اذیت میں گزارا تھا، اس لڑکی کے آنسو ان کے پاؤں کی زنجیر بننے کو بے تاحہ تھے، اس کی سسکیاں ان کے دل سے بلند و بالا فصیلوں کو دھانے کے درپے تھیں اور اس ہر انداز ان کو گھائل کرنے کو کافی تھا۔ وہ سارا دن مضطرب رہے تھے، رات کو لیٹ آئے تھے، اگلے صبح جب اس کو ہوش و حواس سے بیگانہ بخار میں پھنکنا تو وہ سب کچھ بھول بھال گئے تھے۔ ہاسپٹل میں باپ کے ساتھ خوار ہوئے، ڈاکٹروں کے پیچھے انہیں ایک دم احساس ہوا تھا کہ یہ لڑکی اتنی کمزور نہیں جتنی وہ سمجھ رہے ہیں، وہ لڑکی تو ان کی شکست کا پورا اہتمام کیے ہوئے تھی، بخار سے وہ بخڑ کر رہ گئی تھی، ہوش میں آنے کے بعد وہ ان کی طرف دیکھنے سے اجتناب کر رہی تھی، تو وہ خود بھی اس کا سامنا کرنے سے

بچ رہے تھے، وہ رات انہوں نے اپنے گھر اپنے کمرے میں فوزان کے ساتھ گزاری تھی۔ اور پھر اس لڑکی کا ہر رویہ، ہر انداز یاد کرتے انہیں ندامت کا احساس ہوتا جا رہا تھا، کم از کم انہیں اس کے ساتھ اس قدر سختی سے پیش نہیں آنا چاہیے تھا، گویا ان کے اندر کا انسان موم ہو رہا تھا۔

عیشہ ہاسپٹل سے آنے کے بعد اپنے باپ کے پاس چلی گئی تھی، وہ کبھی واجد صاحب کے ہاں ایک دن سے زیادہ نہیں رہی تھی، اسے چار دن ہو گئے تھے وہاں گئے ہوئے، فوزان اس کے بغیر بڑا تنگ کر رہا تھا، انہوں نے قیوم کو اسے لینے کو بھیجا تھا، مگر وہ نہیں آئی تھی، انہیں خوش ہونا چاہیے تھا کہ وہ ان کے کہنے کے مطابق ان کے بیٹے کی زندگی اور معاملات سے دور ہو رہی ہے، مگر متفکر ہو گئے تھے۔ دو دن تک فوزان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی مجبوراً انہیں خود جانا پڑا تھا، وہ آگئی تھی، انہوں نے اسے سختی کے ساتھ باور کروا دیا تھا کہ وہ اسے صرف اور صرف فوزان کی وجہ سے اہمیت دینے پر مجبور ہے۔ وہ رو دی تھی، اور گھر آ کر اس نے فوزان کو سمیٹ لیا تھا، اگلے ہی دن وہ بھلا چنگا ہو گیا تھا، ان کے اندر آندھیاں سی چلنا شروع ہو گئی تھیں۔ اور انہی دنوں اس کے اندر عیشہ واجد کو پس منظر سے غائب کر دینے کی تحریک ایسی ابھری کہ وہ جاوید صاحب کے ہاں چلے گئے، وہ ان کے والد اور تایا ابا کے دیرینہ دوست تھے، انہوں نے انہیں اپنے بیٹے محسن جاوید کے لیے کوئی اچھا سارشتہ دکھانے کی بات کی تھی، وہاں جا کر انہوں نے سرسری انداز میں عیشہ واجد کا نام لیا تھا، وہ عیشہ سے بار ہا مل چکے تھے، بہت خوش ہوئے اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔۔ ان کا مقصد عیشہ کو جلد از جلد اپنی اور فوزان کی زندگی سے دور کرنا تھا، وہ اس میں بہت حد تک کامیاب بھی تھے، اگر عیشہ واجد خود جا کر محسن جاوید کو انکار نہ کر دیتی، انہوں نے محسن جاوید کے آفس کے باہر کھڑے ہو کر عیشہ جاوید کے انکار کو سنا تھا، جی چاہ رہا

تھا کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس لڑکی کا چہرہ سرخ کر دیں، وہ کون ہوتی تھی ان کے ہر عمل کو ناکام بنانیو الی۔۔۔ وہ بہت مشکل سے خود پر قابو کر پائے تھے، اس نے صرف محسن جاوید کے رشتے سے ہی انکار نہیں کیا تھا بلکہ اگلا آنے والا رشتہ بھی اس کے لیے پریشانی کا باعث بن چکا تھا۔ اور اس رات وہ پھر ان کے سامنے کھڑی تھی، جس طرح وہ انکار کر رہی تھی، جس طرح وہ اپنی محبت کو پیش کر رہی تھی، وہ ہکا بکا رہ گئے تھے، ان کا خیال تھا کہ ان کے رویے سے دلبرداشتہ ہو کر وہ کچھ نہ کچھ عقل کا دامن ضرور تھامے گی مگر الٹا ہو رہا تھا، ان کے ہر عمل کا رد عمل انتہائی شدید تھا، وہ ایک دفعہ پھر خود پر قابو نہ کر پائے تھے۔ غصے سے اس کی کچھ کھالینے کی دھمکی پر اشتعال میں آ کر کمرے سے نکال دیا تھا۔ وہ روتے ہوئے دروازہ پیٹ رہی تھی، انہیں پکار رہی تھی، میں مرجاؤں گی۔۔۔ اس کی آواز سے بھی لگ رہا تھا مگر انہوں نے خود کو پتھر پٹالیا، ان کی ذرا سی نرمی بھی ان کے اپنے لیے نقصان دہ تھی۔

اگلے دن ان کا خیال تھا کہ وہ تایا جان سے اس رشتے کو فائل کر لینے کی بات کریں گے، جانچ پڑتال وہ کر چکے تھے، رشتہ ہر لحاظ سے مناسب تھا، مگر وہ وقت نہ ملنے پر بات نہ کر سکے، رات لیٹ آئے تھے، سب سو چکے تھے، امی نے ہی کھانا لا کر دیا تھا، ابھی کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ امی نے وہ بات شروع کر دی تھی جس نے ان کو بدحواس کر دیا تھا۔ ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا کہ قدموں تلے سے زمین سرک چکی ہے، وہ امی کی تجویز پر برہم ہوئے تھے، ہزار ہا اعتراضات کئے تھے، ہر ممکن بچنے کی کوشش کی تھی مگر اس بار امی بھی لگتا تھا کہ پوری تیاری کے ساتھ آئی تھیں، وہ اپنا فیصلہ بنا کر جا چکی تھیں اور ان کا غصے سے برا حال ہو رہا تھا، اگلی صبح انہوں نے عیشہ کے کمرے میں جا کر اپنا سارا غصہ نکالا تھا، وہ پھر رو دی تھی، وہ ہر بار اسے بری طرح رلا دیتے تھے۔ اور پھر اس کے

پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مزید غصہ آنے لگتا تھا۔ وہ وضو کر کے فارغ ہوئی تھی، صبح کے وقت اپنے گیلے چہرے سمیت وہ اوس سے ڈھکا کوئی گیلہ گلاب ہی محسوس ہوئی تھی، ایک دفعہ پھر ان کا دل ان کے سامنے ڈٹ گیا تھا مگر انہوں نے دل کو ڈانٹ کر عقل کا دامن نہیں چھوڑا تھا، اسے سخت ست سنا کر آ گئے تھے۔ اور پھر ان کے بے پناہ اختلاف کے باوجود یہ رشتہ طے پا گیا تھا، ابو نے ان سے اتنے سلجھے ہوئے انداز میں بات کی تھی کہ وہ بہت خواہش کے باوجود انکار نہ کر پائے تھے، اور پھر تلملا کر رہ گئے تھے۔

ان کے والدین تو جیسے منتظر ہی تھے، فوراً نکاح کی تقریب منعقد کر کے یہ رشتہ ہمیشہ کیلئے مضبوط کر لیا تھا، اسٹیج پر بیٹھی عیشہ واجد جو کہ اب عیشہ شہباز حیدر بن چکی تھی، عروسی لباس میں بے پناہ حسین لگ رہی تھی، ادھر ادھر بھٹکتے ان کی نگاہ بارہا اس کے چہرے پر چپک گئی تھی، وہ اپنے آپ کو ہر بار ڈانٹ دیتے تھے، مگر اسے دیکھنے سے باز نہیں آتے تھے۔ وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ انہیں اپنے اوپر سے اختیار اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ اس وقت عیشہ انہیں بالکل وریشہ کی طرح ہی لگی، وہی رخسار، وہی نین نقش، وہی قد و قامت۔۔۔ وہ جو صبح مہوش قیوم کے کمرے سے گزرتے ہوئے ان کی باتیں سن کر خفا تھے، بس موقع کی تلاش میں تھے کہ وہ ہمیشہ کو اس سلسلے میں باز پرس کریں۔۔۔ انہوں نے مہوش سے عیشہ سے کوئی بات کرنے کو کہا تھا، مہوش نے انہیں تنگ کرنا چاہا تھا مگر انہوں نے سختی سے ٹوک دیا تو وہ بھی سنجیدہ ہو گئی اور عیشہ سے ملنے کا اہتمام کر دیا تھا، وہ اس کے کمرے میں آئے تو وہ آنکھیں بند کیے نیم دراز سی تھی، اس کو دیکھ کر ان کے اندر وہی کیفیت ابھری تھی، جو کچھ دیر پہلے ان کے اندر تلاطم برپا کر چکی تھی۔ وہ ان لمحوں میں بڑی مشکل سے خود پر قابو کر پائے تھے، انہوں نے فوراً مہوش کی بات والا کھانا کھول لیا تھا، اور تبھی انہیں علم ہوا کہ یہ ساری سازش مہوش کی ہے، وہ

کچھ نہیں کہہ سکے تھے، ایک دفعہ پھر اسے غصے سے بری طرح سنا کر وہ چلے گئے تھے۔ اور پھر ان کی زندگی کا اک نیا باب کھلا تھا۔

ہریات، ہر معاملے میں عیشہ واجدان کے سامنے ہوتی تھی، اس دن اس کو یونیورسٹی میں ڈراپ کرتے ہوئے انہیں بظاہر امی پر غصہ تھا، ناراضگی تھی، انہوں نے جس طرح اس کے اعتراضات کو خاطر میں لائے بغیر یکطرفہ فیصلہ کرتے نکاح کروایا تھا وہ ان سے ناراض ہی تھے، وہ ان کی ناراضگی سے اچھی طرح باخبر تھیں، اسی لیے انہوں نے عیشہ کو ان کے ساتھ لے جانے پر کیا تھا۔

انہیں امی کی بات پر ایک دم غصہ آیا تھا، وہ اس طرح کیا ثابت کروانا چاہتی ہیں، یعنی کہ وہ اتنا کمزور ہے کہ جس بات کو وہ اب تک ”انکاری“ ہے، عیشہ کے چند پل کے ساتھ سے وہ ”ہاں“ ہو جانے کی انہیں امی کی سوچ پر غصہ تھا، اور یہ غصہ انہوں نے سارا عیشہ پر اتارا تھا، وہ ایک روز پھر اسے رونے پر مجبور کر گئے تھے، وہ رورہی تھی، انہیں تکلیف پہنچ رہی تھی، وہ نہ جانے اتنے کمزور ہوتے چلے گئے تھے کہ اب یہ لڑکی انہیں

اپنے وجود کا احساس بری طرح دلا رہی تھی، انہوں نے اسے کافی برا بھلا کہا تھا۔ وہ روتے ہوئے ان کے ہر احسان جتلانے پر جواب دے رہی تھی، اور جس طرح گاڑی سے نکلنے کے بعد ان کے پاس سے گئی تھی وہ حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ وہ کتنے دنوں تک خود کو اپنے اس برے رویے پر ملال کا شکار ہونے سے نہیں روک پارہے تھے، پھر وہ شہلا کی منگنی کی وجہ سے ایک ڈیڑھ ہفتہ پہلے ہی واجد صاحب کے ہاں جا بیٹھی تھی، فوزان نے بھی اس کے ساتھ ہی گیا تھا۔ اس دوران انہیں برائی شدت سے دونوں کی کمی محسوس ہوئی تھی، اس نے انہیں پتھر کہا تھا، اور پتھر پکھل رہا تھا، وہ خود بھی حیرت زدہ تھے، جس شکست سے وہ ڈرتے تھے وہ ان کا مقدر بنے کو بس چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ وہ ہار رہے تھے، انہیں

اندازہ ہو رہا تھا۔ جس انا کے سامنے وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہ تھے، وہ انہیں مجبور کر رہی تھی۔ وہ فوزان کو چھوڑنے واجد صاحب کے ہاں گئے تھے۔ وہ اتفاق سے اس دن جلدی گھر آ گئے تھے، شہلا انہیں بازار لے جانے کا کہہ رہی تھی، وہ فارغ ہی تھے، سومان گئے تھے، راستے میں شہلا نے اسے عیشہ کو بھی یونیورسٹی سے پک کرنے کا کہا تھا۔ وہ حیران تو ہوئے تھے مگر اظہار نہ کیا۔ انہیں یہاں کچھ دیر انتظار کرنا پڑا تھا، اور پھر وہ آ گئی تھی، شہباز حیدر کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ تھی، وہ اچھی طرح اس کی حیرت پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے سلام کیا تو وہ صرف حیرت سے سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ وہ ان کے پہلو میں تھی، لاتعلقی کا اظہار کرتی ہوئی مگر لاتعلقی نہیں تھی۔

سائیڈ مرر سے اس کے چہرے کی تکان وہ صرف پڑھ سکتے تھے، فوزان اس کے پاس آگے آ گیا تھا۔ اس سے باتیں کر رہا تھا، بھی اس کی بات پر اس نے ڈانٹ دیا تو انہوں نے بغور دیکھا تو وہ فوزان کی بات پر خفت کا شکار تھی۔ ان کے اندر ایک عجیب سی کیفیت نے سر اُبھارا تھا۔ بڑی خوبصورت لگ رہی تھی، وہ خود بھی حیران تھے۔

شاپنگ کے دوران اس نے کچھ بھی نہیں لیا تھا، فوزان کی شاپنگ میں اس نے ان کی مدد کی تھی، شہلا اور فوزان اسے کچھ نہ کچھ لینے کو کہہ رہے تھے مگر وہ انکار کر گئی تھی، اور بھی وہ ان کو جیولری والی دکان پر چھوڑ کر چلے گئے تھے، کچھ اپنے لیے اور کچھ اس کیلئے شاپنگ کی تھی۔ اور پہلی بار وہ مطمئن تھے، پہلی بار ان کا رویہ مثبت تھا، اور پہلی بار اپنی شکست کے خوف سے ان کے اندر غصے کے طوفان نے سر نہیں اُبھارا تھا، اور پہلی بار ان کو اپنی یہ کیفیت اچھی لگ رہی تھی، انہیں عیشہ اچھی لگ رہی تھی، فوزان کا عیشہ کیلئے یہ لگاؤ اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بہت تھک گئی تھی، وہ محسوس کر رہے تھے، وہ خود بھی تھکن محسوس کر رہے تھے، وہ بھوکی تھی، انہیں احساس ہو رہا تھا، اسی لیے وہ ان تینوں کو اس ریسٹورنٹ

میں لے آئے تھے۔ اس نے ان کے ساتھ آنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ وہ خوش ہو رہے تھے، جس طرح اس عیشہ کا لائق کا رویہ تھا، وہ اس کی طرف سے کچھ خوفزدہ تھے، مگر ان کی خوشی اس وقت ملیا میٹ ہوئی تھی جب نیبل پر کئی ڈشز کی موجودگی کے باوجود اس پر صرف پانی کا گلاس لیا تھا، وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھتے رہے تھے، شہلا اور فوزان اسے بار بار کچھ نہ کچھ لینے چکھنے کا اصرار کر رہے تھے، مگر وہ ہر بار سہولت انکار کر رہی تھی۔

”پلیز نہیں۔۔۔ اس وقت بالکل بھی گنجائش نہیں۔۔۔ معمولی ساناشتہ کیا تھا، تو کنٹینر سے جی کر کھایا تھا۔ ایک برگردوسمو سے اور چائے تھی۔۔۔“ اس کے چہرے سے بھوکا ہونے کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے، شہباز خاموش ہو گئے تھے، ان کا دل بچھ گیا تھا۔

یونیورسٹی ڈراپ کر دینے والے دن سے لے کر اب تک کا اس کا رویہ ایسا ہی تھا، وہ جو ان کو دیکھ کر صرف رو دیتی تھی، ذرا سی سختی پر فوراً آنکھیں بھر آتی تھی، ان کے خوف سے وہ ہر وقت خائف رہتی تھی، یکسر بدل رہی تھی، وہ ان سے لائق کا اظہار کر رہی تھی۔ ان کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی، اور سب سے بڑھ کر ان کا منگوا یا گیا کھانا نہیں کھا رہی تھی، انہیں اذیت ہو رہی تھی، مگر چپ تھے، اسے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ سب ان کا اپنا بویا سامنے آرہا تھا۔ واپسی پر جب فوزان کو اس کے کمرے میں لٹانے کے بعد انہوں نے فوزان کے سامان کے ساتھ اس کیلئے خریدی گئی چیزوں کا شمار اس کے سامنے کیا تھا، وہ کتنی حیران ہوئی تھی، اور اگلے ہی لمحے وہ طنز پر اتر آئی تھی، انہوں نے پہلی دفعہ اس کیلئے بہت خلوص سے کوئی چیز خریدی تھی اور اس نے اسے خیرات کا نام دیا تھا۔ وہ اس کے لفظ پر ایک دم طیش میں آئے تھے، وہ اور بھی نجائے کیا کیا بکواس کر رہی تھی، غصے سے وہ شاہ پر وہیں بستر پر پھینک کر

آگئے تھے۔ اور وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی، وہ گاڑی اشارت کر رہے تھے جب وہ کھڑکی میں جھک کر کہنے لگی تھی۔

”مجھے اس خیرات کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔۔۔ نہ ہی مجھے آپ کی اس نام نہاد نفرت کی ضرورت ہے، جس کا آپ راگ آلاپتے رہتے ہیں۔۔۔ اگر میں آپ کو اتنی ہی بری، ناقابل قبول لگتی ہوں تو مجھے میری ذات کو تسلیم کرتے ہوئے میری برائیوں کا ذکر کریں۔۔۔ میں اُف بھی کر گئی تو کہیے گا۔۔۔ مگر اس بے وجہ کا ٹھکرائے جانا برداشت نہیں کروں گی۔۔۔ اپنے جذباتوں سے ہار کر آپ کا نام اپنے مقدر میں لکھوایا ہے تو اس خیرات سے بڑھ کر حق طلب کرنے کا حق رکھتی ہوں، اگر کچھ دینا ہی ہے تو مجھے میری وہ عزت دے دیجئے جو بیوی ہونے کے نام پر آپ پر فرض ہے۔۔۔ یہ خیرات نہیں۔۔۔“ وہ حیرت سے گنگ رہ گئے تھے، بالکل حواس باختہ، گم صمم۔۔۔ اور یہ سکتہ ابھی تک برقرار تھا۔ اس وقت گھر میں صرف ان کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا، سب واجد کے یاں چلے ہوئے تھے، اور انہیں رہ رہ کر وہ یاد آ رہی تھی، چہنہیں ہار جانے کے خوف سے انہوں نے بھی انسان بنی نہ سمجھا جاتا، جسے ذلیل کرنے کا کوئی لمحہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ جسے ہر لمحہ ہر پل اپنی نفرت سے لگاتے رہے تھے اور آج اگر وہ ان کے سامنے بجائے ڈرونے دھونے کے پوری عزت و وقار کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی تو وہ حیران رہ گئے تھے، اس کا یہ روپا ان کو چاروں شانے سے چت کر دینے کو کافی تھا۔

اقرار گئے، انکار گئے، ہم ہار گئے اک عمر رہے ہیں جیت سے بے پرواہ لیکن جب جیتنا چاہا جیون وار گئے ہم ہار گئے وہ لب بھینچ کر رہ گئے، انہیں آج اپنی یہ مکمل ہار بری نہیں لگ رہی تھی، نہ ہی اس ہار کے اعتراف نے ان کے اندر تلاطم برپا کیا تھا، وہ اک میٹھی سی کک

”وعلیکم السلام۔۔۔ کیسے ہو۔۔۔ ماما کیسی ہیں۔۔۔؟“
 ”ٹھیک ہوں۔۔۔ ماما شہلا آپ کی مہندی لگا رہی ہیں۔۔۔“
 ”تم سوئے نہیں۔۔۔ اتنی رات ہو گئی ہے۔۔۔“ انہوں
 نے ناٹم دیکھا، گیارہ بج رہے تھے۔
 ”میں سو گیا تھا، یہاں اتنا شور ہے۔۔۔ آنکھ کھل گئی
 تھی۔۔۔ پاپا آپ کیوں نہیں آئے۔ یہاں سب
 ہیں۔۔۔ بہت مزہ آرہا ہے۔۔۔“
 ”میں کل آؤں گا۔۔۔ آپ اپنی ماما سے بات
 کروائیں۔۔۔“
 ”اچھا پاپا۔۔۔“

”ٹھوڑی دیر بعد عیشہ کی آواز سنائی دی۔
 ”ہیلو۔۔۔“

”عیشہ۔۔۔ وہ رک گئے، ذہن بالکل خالی ہو گیا۔
 ”جی فرمائیے۔۔۔ کیسے زحمت کی۔۔۔“ اتنے عرصے میں
 وہ ان پر طنز کرنا ضرور سیکھ چکی تھی، انہوں نے ایک گہرا
 سانس لیا۔

”تمہارا ایم ایس سی مکمل ہونے میں کتنے ماہ باقی
 ہیں۔۔۔“ سنجیدگی سے پوچھنے پر دوسری طرف موجود
 عیشہ حیران ہوئی۔ یہاں بھلا ایم ایس سی کا کیا
 ذکر۔۔۔ وہ بھی اس وقت۔۔۔

”جی۔۔۔؟“

”جی ہاں۔۔۔ کتنے ماہ باقی ہیں۔۔۔؟“ انہوں نے
 دوبارہ دہرایا۔

”تین ماہ بعد ایگزامز ہو رہے ہیں۔۔۔ کیوں
 خیریت۔۔۔؟“ عیشہ حیران تھی کہ رات کے اس پہر
 اسے اس کے ایم ایس سی سے کیا دلچسپی ہونے لگی کہ
 یوں کال کر کے پوچھا جا رہا تھا۔

”میں بھی حساب لگا رہا تھا کہ تین چار ماہ مجھے تمہیں
 بیوی کے ناطے عزت دینے میں کتنا تکلیف دہ
 انتظار کرنا ہوگا کہ تمہیں بھی دی گئی عزت خیرات نہ
 لگے۔

”جی۔۔۔؟“ اب تو عیشہ کے حقیقتاً طوطے اڑے تھے،

محسوس کر رہے تھے، ایک دھیمی سلگتی آگ جو انہیں
 حیات بخش ذائقے سے متعارف کروا رہی تھی۔
 انہوں نے اپنے بستر کی سائیڈ ٹیبل سے البم نکال لیا۔
 یہ نکاح کے دن کی تصاویر تھیں جو مہوش بھابھی نے ان
 کو تھمائی تھیں، انہوں نے غصے سے بغیر دیکھے اندر ڈال
 دی تھیں مگر اب ان تصویروں کو دیکھنے کو دل چل رہا تھا۔
 ہر تصویر میں اس کا روپ نرالا تھا، عروسی لباس و میک
 اپ میں بھاری جیولری سمیت وہ اچھی خاصی دلربا سی
 لگ رہی تھی۔ ہر تصویر کو بغور دیکھنے ان کے ہونٹوں کی
 مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

”اگر کچھ دینا ہی ہے تو مجھے میری وہ عزت دیجئے جو
 بیوی ہونے کے ناطے آپ پر فرض ہے۔۔۔ یہ خیرات
 نہیں۔۔۔“ اپنی تمام تر تعلق کے باوجود وہ اپنے دل کی
 بات کہنے سے باز نہیں آئی تھی۔ ان کے اندر اک آتش
 سا اترنے لگا۔

”کم عمر لڑکی کی محبت کا واحد حقدار ہونا جو پوہی سی
 جان سے ان پر مرتی ہو۔ اس کا نشہ بھی عجیب ہوتا ہے،
 انہیں احساس ہو رہا تھا۔ تصویروں کو سائیڈ پر رکھتے
 ہنس دیے تھے، آج بہت عرصے بعد وہ دل سے کھٹکے
 کر رہے تھے، ورنہ خود کو تو بقول عیشہ کے نام نہاد نفرت
 کی زد میں رکھ کر بھول گئے تھے۔

”میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔۔۔ میں آپ کو
 بغیر مرجاؤں گی۔۔۔ پلیز مجھے یوں بری طرح نفرت
 سے مت دھتکاریں۔۔۔“ کبھی کا کہا روتی بلکتی تھی۔

آواز میں یہ جملہ ان کے اندر اک آگ لگا گیا۔
 انہیں احساس ہوا کہ وہ اس کم عمر دیوانی لڑکی سے کتنی
 زیادتیاں کر چکے ہیں۔ کسی خیال سے چونک کر انہوں
 نے واجد صاحب کے گھر کے نمبر ملائے، کال
 رسیو کرنے والی واجد صاحب کی بیگم تھیں، سلام دعا کے
 بعد انہوں نے فوزان سے بات کروانے کو کہا تھا۔

”السلام علیکم بابا۔۔۔“ وہ فوراً بات کر رہا تھا، وہ مسکرا
 دیے۔

کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی۔ یہ شخص اس پر ایسا مہربان ہی کب تھا کہ وہ اعتبار کرتی۔

”ویسے تمہیں مجھ تک پہنچنے کیلئے فوزان کو قابو کرنے میں مشکل تو بڑی ہوئی ہوگی۔“ وہ مزید کہہ رہے تھے، دوسری طرف عیشہ کو تو گویا پتنگ لگے تھے۔

”دماغ تو ٹھیک ہے آپ کا۔۔ فوزان کے سلسلے میں آپ میرے جذبات کی توہین کر رہے ہیں۔۔“ وہ کلس کر رہ گئی، شہباز نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

”تم نے بھی تو میری کئی گئی شاپنگ کی چیزیں قبول نہ کر کے کی ہے۔۔ وہ کس زمرے میں آتی ہے“ وہ اسے صرف ستانے کے موڈ میں تھے، دوسری طرف عیشہ واقعی براہم ہو گئی۔

”اور جو آپ میرے ساتھ ایک عرصہ سے کرتے آ رہے ہیں، وہ کس کھاتے میں ڈالیں گے۔۔“ وہ چیخ ہی تو لگی تھی، وہ ہنس دیے۔

”میں تو ایسا ہی ہوں۔۔ منع کیا تھا تمہیں۔۔ اب بھلا بھی۔۔ اپنے سے بڑی عمر کے شخص سے دل لگاؤ تو یہی حال ہوگا۔۔“

”آپ کو میرے احساسات کا پتہ ہے، اسی لیے آپ مجھے دل لگانے کی سزا دے رہے ہیں۔۔ میری قسمت۔۔ سر پھوڑنے کو بھی مجھے آپ جیسا پتھر تھا۔۔ مگر کب تک۔۔ کسی نہ کسی دن آپ کو اپنی غلطی کا احساس تو ہوگا۔۔“ اگلے ہی لمحے حساسیت کا شکار ہوتے اس کی آواز رندھ گئی۔

”میں آپ سے جتنا بھی برا سلوک کر لوں، آپ کے برابر نہیں ہو سکتی۔۔ آپ تو۔۔“ وہ واقعی رو دی۔ شہباز کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا، کم از کم اب تو رلانے کے موڈ میں نہ تھے، صرف ستانا مقصد تھا۔

”مجھے میری باتوں کے طعنے دے لیں۔۔ اللہ کرے آپ بھی۔۔“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی، ایک دم فون بند کر دیا تھا۔ شہباز حیدر کو تاسف نے آگھیرا، مگر اگلے ہی لمحے پھر کچھ سوچ کر مطمئن ہو گئے۔ ☆☆☆

رونے کی کسرباقی تھی۔

”فکر نہیں کرو۔۔۔ پتہ کرواتے ہیں۔۔۔“ حیدر صاحب اسے تسلی دے کر باہر نکل گئے تھے، عیشہ کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد یاسر بھاگتا آیا۔ کچھ دیر پہلے وہ فوزان کو ڈھونڈنے نکلا تھا۔

”وہ فوزان۔۔۔“

”کہاں ہے وہ۔۔۔؟“ وہ فوراً بے تاب ہوئی۔

”شہباز چاچو کی گاڑی میں۔۔۔ وہ اسے آکس کریم کھلانے لے کر گئے ہوئے تھے۔ ابھی آئے ہیں، باہر ہی گاڑی میں ہیں۔۔۔“ وہ بتا رہا تھا، عیشہ کو ایک گونہ سکون ہوا تو دوسرے ہی لمحے شہباز کا خیال آتے ہی وہ ہٹا اٹھی۔

”وہ ابھی تھی، یاسر کے پیغام پر باقی سب نے بھی سکون کا سانس لیا تھا، شہباز حیدر سے اس قدر غیر ذمہ داری کی امید نہ تھی، کم از کم بتا کر تو جاتے۔ سب کے سامنے پیغام ملا۔ اکیلے میں تو شاید غصے سے انکار کر دیتی، چپ کر کے وہ باہر چلی آئی۔ مہمانوں کے جانے کے بعد کٹ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ گاڑی سامنے ہی کھڑی تھی، دیکھ کر شہباز نے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا، دوسری طرف واجد صاحب کھڑے تھے۔“

”جی۔۔۔؟“ وہ جو فوزان کی وجہ سے چلی آئی تھی، رک گئی، باپ کو دیکھا، وہ مسکرائے۔

”جلدی چھوڑ جانا یار۔۔۔ پہلے ہی فوزان کی وجہ سے تم نے سب کو پریشان کر دیا تھا۔“ اس کے دیکھنے پر واجد صاحب شہباز حیدر کو کہہ کر اندر چلے گئے تھے۔

”سنا نہیں بیٹھو۔۔۔“ دوبارہ کہا گیا تو وہ غائب دماغی سے بیٹھ گئی۔

”آپ کے پاس تھا تو کم از کم کہیں لے جانے سے پہلے بتا دیا ہوتا۔۔۔ سب پریشان ہو کر رہ گئے تھے۔ فوزان کی گمشدگی اب یہ۔۔۔“ وہ الجھ گئی

اگلے دن اس نے بلیک خوبصورت ایمبرائیڈری سے مرقع شیشوں کے کام والا سوٹ پہنا تھا، یہ اس کے نکاح کے جوڑوں میں سے ایک تھا، خوبصورت جیولری میک اپ سمیت وہ اپنے خوبصورت سراپے کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی تھی، کہنیوں تک مہندی کی نیل بوٹوں سے سجائے سیدھے ہاتھ پاؤں بہت بھلے لگ رہے تھے، چوڑیوں گجروں کی دلکشی نے اس کے حسن کی جگہ گاہٹ کو چار چاند لگا دیے تھے، رات کی تقریب

نہی، گھر کے اندر ہی سارا انتظام کیا گیا تھا، مہمانوں کی آمد کے بعد خوب گہما گہمی ہو گئی تھی، محسن جاوید نہیں آیا تھا نہ ہی ان کے خاندان میں کسی لڑکے لڑکی کو ایک جگہ بٹھا کر تقریب کرنے کا رواج تھا۔ وہ کافی متحرک تھی، ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر آتے جاتے عیشہ کی رات شہباز حیدر سے ہونے والی گفتگو یاد کر کے کئی آنکھیں بھیگی تھیں، شہباز حیدر آئے تھے، مردوں میں ہی مصروف رہے تھے، چونکہ مردوں کیلئے بیٹھنے کا انتظام صحن میں کیا گیا تھا تو کم ہی سامنا ہو رہا تھا۔ عیشہ بھی شکر ادا کیا کہ نجانے کب کیا وہ شخص کہہ دے۔ رات دس کے قریب مہمان واپسی کے لیے ہو لیے

ان کے جانے کے بعد اچانک عیشہ کو یاد آیا کہ کافی دیر سے اس نے فوزان کو نہیں دیکھا، شاید گھنٹہ ڈیڑھ سے۔۔۔ لاسٹ ٹائم اس نے شہباز حیدر کو فوزان کو اٹھائے مردوں والے حصے میں جاتے دیکھا تھا، اس کے بعد فوزان اسے نظر نہیں آیا تھا، اس نے جس سے بھی پوچھا اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی، دیگر لوگ بھی پریشان ہوئے۔

”کہاں جاسکتا ہے بچہ۔۔۔“

”کہاں نکل گیا بچہ۔۔۔“ چچی بھی پریشان تھیں۔

”وہ مجھ سے آکس کریم کھانے کی ضد کر رہا تھا، میں اسے ٹال رہی تھی، پتہ نہیں کہیں خود سے ہی باہر نہ نکل گیا ہو۔۔۔ اسے تو یہاں کے راستوں کا بھی پتہ نہیں۔“ عیشہ کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا، بس

تھی۔ فوزان سوچا تھا، شہباز کے ساتھ ہی سیٹ پر تھا،

سراس کی جھولی میں تھا، شہباز نے مسکرا کر دیکھا۔

”میں تمہارے سامنے ہی لے کر گیا تھا۔۔۔ پتہ تو ہے تمہیں۔۔۔“

”مگر بتا کر نہیں گئے تھے، میں سمجھی تھی کہ آپ شاید

باہر مردوں میں لے کر گئے ہیں۔۔۔“ فوزان کا سراپنی

جھولی میں رکھ کر اس کی ٹانگیں اس نے سیدھی کیں۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں۔۔۔ اور مجھے کیوں لے کر

آئے ہیں۔۔۔؟“ تھوڑی دیر بعد عیشہ کے حواس کام

کرنا شروع ہو گئے تھے، باہر ہر سو پھیلے گہرے تاریک

اندھیرے کو دیکھا اور پھر اندر شہباز حیدر کو۔۔۔

”رات تم نے فون کیوں بند کر دیا تھا۔۔۔“ اس کے سوال

کو نظر انداز کر کے پوچھا تھا، وہ چونکی۔

”تو آپ مجھے رات فون بند کرنے کی سزا دینے پہاں

لے کر آئے ہیں۔۔۔“ وہ بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

شہباز حیدر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چل گئی۔

”میں آپ کو اتنا برا نہیں سمجھتی تھی۔۔۔ میرا خیال تھا کہ

آپ کے نزدیک میری تھوڑی بہت تو عزت ہوگی

مگر آپ تو۔۔۔“ وہ شہباز حیدر کی مسکراہٹ سے کچھ اور

ہی سمجھی تھی، ایک دم روہاسی ہوئی۔ شہباز کا قہقہہ بے

ساختہ تھا، وہ مزید خائف ہو گئی۔

”یہ ہنس کیوں رہے ہیں۔۔۔؟“ وہ ہونق ہو گئی۔ شہباز

نے بغور دیکھا، شرارتی مچلتی مسکراہٹ ہونٹوں پر

رقصاں تھی۔ سیاہ خوبصورت لباس میں مٹے مٹے میک

اپ میں آنکھوں میں نمی تھی، وہ ابھی بھی بے حد دل

نشیں لگ رہی تھی۔

”رات فون غصے سے بند کرنے کی بجائے میری بات

سن لیتی تو اس وقت اتنی بدگمان نہ ہوتیں۔“ گاڑی

سائیڈ پر کھڑی کر کے اس کی طرف رخ کیا تھا، عیشہ کا

دماغ سننا اٹھا۔ شہباز حیدر کا لہجہ کیا آنکھیں تک بدلی

ہوئی تھیں۔

”آپ۔۔۔“ وہ کچھ کہنے کی کوشش میں سختی سے لب سی

گئی۔

”نہیں! فوزان کی آنکس کریم کھلانے کی ضد پر اسے

لے کر گیا تھا، مگر راستے میں کچھ جاننے والے مل گئے

تو دیر ہو گئی۔۔۔ مجھے بالکل بھی اندازہ نہ تھا کہ تم لوگ

پریشان ہوں گے۔۔۔ تم لوگوں کا بھی میری طرف

دھیان نہیں گیا تھا ورنہ کال کر کے پوچھ لیتے تو پتہ چل

جاتا۔۔۔ بہر حال واپسی پر واحد بھائی مل گئے تھے، وہ

فوزان کو ہی ڈھونڈنے نکلے تھے، میرے ساتھ ہی گھر

آئے ہیں۔۔۔؟“ تھوڑی دیر بعد عیشہ کے حواس کام

کرنا شروع ہو گئے تھے، باہر ہر سو پھیلے گہرے تاریک

اندھیرے کو دیکھا اور پھر اندر شہباز حیدر کو۔۔۔

”رات تم نے فون کیوں بند کر دیا تھا۔۔۔“ اس کے سوال

کو نظر انداز کر کے پوچھا تھا، وہ چونکی۔

”تو آپ مجھے رات فون بند کرنے کی سزا دینے پہاں

لے کر آئے ہیں۔۔۔“ وہ بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

شہباز حیدر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چل گئی۔

”میں آپ کو اتنا برا نہیں سمجھتی تھی۔۔۔ میرا خیال تھا کہ

آپ کے نزدیک میری تھوڑی بہت تو عزت ہوگی

مگر آپ تو۔۔۔“ وہ شہباز حیدر کی مسکراہٹ سے کچھ اور

ہی سمجھی تھی، ایک دم روہاسی ہوئی۔ شہباز کا قہقہہ بے

ساختہ تھا، وہ مزید خائف ہو گئی۔

”یہ ہنس کیوں رہے ہیں۔۔۔؟“ وہ ہونق ہو گئی۔ شہباز

نے بغور دیکھا، شرارتی مچلتی مسکراہٹ ہونٹوں پر

رقصاں تھی۔ سیاہ خوبصورت لباس میں مٹے مٹے میک

اپ میں آنکھوں میں نمی تھی، وہ ابھی بھی بے حد دل

نشیں لگ رہی تھی۔

”رات فون غصے سے بند کرنے کی بجائے میری بات

سن لیتی تو اس وقت اتنی بدگمان نہ ہوتیں۔“ گاڑی

سائیڈ پر کھڑی کر کے اس کی طرف رخ کیا تھا، عیشہ کا

دماغ سننا اٹھا۔ شہباز حیدر کا لہجہ کیا آنکھیں تک بدلی

ہوئی تھیں۔

”آپ۔۔۔“ وہ کچھ کہنے کی کوشش میں سختی سے لب سی

نیا ڈرامہ رچا بیٹھے ہیں۔ محض مجھے اذیت دینے کو۔۔۔“
اگلے ہی لمحے وہ رودی۔ شہباز نے حیرت سے دیکھا،
پھر ایک دم بازو سے اپنی طرف کھینچا، گود میں فوزان تھا،
وہ صرف ان کی طرف لڑھکی تھی۔ انہوں نے اس کی کمر
کے گرد بازو حائل کیا۔

”شٹ اپ۔۔۔ کوئی ڈرامہ نہیں کر رہا میں۔۔۔ میں
تو تمہیں یہ سب رات کو ہی کہنا چاہتا تھا۔۔۔ تمہیں میں
نے اتنا ستایا۔ اتنی تکلیف دی، تمہاری ذرا سی لالعلقی
نے وہ کام کر دکھایا جو تمہاری اتنے عرصے کی محبت نہ
کر دکھائی۔۔۔ میں تمہارے سامنے ہارنا نہیں چاہتا تھا،
میں تم سے عمر میں بڑا تھا، میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارے
ساتھ کوئی نا انصافی ہو۔۔۔ میرا خیال تھا کہ میاں بیوی
ہم عمر ہوں تو انڈر شینڈنگ اچھی رہتی ہے، زندگی
پرسکون اور خوشگوار گزرتی ہے۔۔۔ ابھی تم نادانی کا
مظاہرہ کر رہی ہو۔۔۔ ہو سکتا ہے بعد میں جذبات کا زور
کم ہو اور تمہیں احساس ہو کہ تم غلطی پر تھیں، تو بعد میں

پچھتانے سے بہتر تھا کہ تم ابھی سے کچھ
سوچتیں۔۔۔ زندگی جذبات کے سہارے گزرنے والی
نہیں ہے۔۔۔ تم ہمیں بہت عزیز ہو، تمہارے ساتھ کوئی
نا انصافی ہو، کم از کم میرے نزدیک تو یہ ممکن نہیں
تھا۔ اس لیے میں نے تمہارے لیے خود کو سخت کر لیا۔
میں جتنی سختی کا مظاہرہ کر رہا تھا، تمہاری محبت اتنی ہی منہ
زور طوفان کی طرح آگے بڑھتی جا رہی تھی، میں
ڈر گیا تھا، تم سے نہیں خود سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مجھے
اپنے اندر توڑ پھوڑ ہوتی محسوس ہو رہی تھی، تمہارے
معاطفے میں میں کمزور بڑھتا تھا، میرے دل و دماغ میں
اک جنگ سی چھڑ چکی تھی، جس کی وجہ سے تمہیں
میں نے سخت رنج، تکلیف اور اذیت سے دوچار کیا تھا،
میرے اندر کا اشتعال دن بدن بڑھتا جا رہا تھا، اور
ہر بار میرا غصہ تم پر نکلتا تھا، میں ہارنا نہیں چاہتا تھا، مگر
بار بار ہاتھ اور تمہاری ذرا سی لالعلقی میری رہی سہی انا کو
بھی توڑ پھوڑ گئی۔ ایسے میں تم مجھے یہ کہو کہ میں ڈرامہ

کر رہا ہوں تو بڑے شرم کی بات ہے میرے
لیے۔۔۔“ وہ حقائق، پتھر کی طرح ساکن، بغیر پلکیں
جھپکائے سن رہی تھی، شہباز حیدر کا چہرہ جس پر جذبے
اپنا عکس دکھا رہے تھے، دیکھ رہی تھی، مگر بے یقین تھی،
کیا یہ شخص واقعی سچ کہہ رہا ہے، یہ میرا کوئی خواب ہے۔

میری یہ محبت، میرا یہ بدلا انداز، میری توجہ، خیرات
نہیں ہے۔۔۔ یہ وہ حق ہے جو میرے نکاح میں ہونے
کی حیثیت سے تم زیر رو کرتی ہو۔ کیا اب بھی نہیں مانو
گی میں ہارا ہوں تمہاری دیوانگی، محبت کے
سامنے۔۔۔ میں نے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔۔۔ اب بولو
میری حقیر سی محبت قبول کرو گی۔۔۔ مجھے میری تمام
غلطیوں سمیت اپنی محبت کے وسیع دامن میں سمیٹ کر
مجھے مالا مال کرو گی۔۔۔ بولو کرو گی۔۔۔“ اس کے دونوں
ساتھ تھا مے شہباز حیدر یہ بھی بھول گئے تھے کہ وہ اس
وقت کہاں ہیں، عیشہ کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے
گئے تھے، وہ سر جھکا گئی۔

بس اب نہیں رونا۔۔۔ بہت رولا یا ہے میں نے
تمہیں۔۔۔ تمہاری محبت نے میرے مردہ احساسات کو
اک نئی زندگی دی ہے، وریشہ کی وفات کے بعد
میں نے اپنے تمام جذبوں امنگوں خواہشوں کو بھی اس
کے ساتھ دفن کر دیا تھا کہ اب یہ دل کوئی اور نگر آباد نہیں
کرنا چاہتا۔ طلب خواہش پر چیز مٹ گئی تھی،
تمہارے وجود نے میرے اندر پھر وہ پرانی امنگ
پیدا کی ہے تمہارے نام سے۔۔۔ تمہارے وجود سے۔۔۔
میں نے اباجی اور واجد بھائی سے بات کر لی ہے۔۔۔
تمہارے ایگزامز کے انتظار میں میں مزید صبر نہیں
کر سکتا۔۔۔ بعد میں بے شک ایگزیمز دیتی رہنا، بس
اگلے ماہ تک رخصتی ہو جانی چاہیے۔۔۔ بولو خوش ہو
نا۔۔۔؟“ عیشہ کا ابھی بھی برا حال تھا، وہ تو سب کچھ سمجھ کر
بھی نا سمجھ تھی، اس کی بے یقینی دیکھ کر شہباز حیدر کے
ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی، اسکے آنسو اپنی پوروں
سے صاف کرتے انہوں نے اسے اپنے بازو کے

ہوں گے۔ تم اپنے شوہر کے ساتھ ہو، اعتبار کرو
یار۔ ہم دل ہارے ہیں۔ اور بے ایمانی تو اپنی
عادت ہے ہی نہیں۔ اب یہ لرزنا کانپنا بند
کرو۔ یقین نہیں آ رہا کہ میری محبت میں پاگل دیوانی
ہر چیز کی پرواہ کے بغیر میرے سامنے اظہار کرنے والی
اس قدر شرم کی پوٹلی بھی ہو سکتی ہے۔“ شہباز حیدر نے
بلکے پھلکے انداز میں اس کا اعتبار اسے لوٹانا چاہا تھا۔ وہ
سختی سے لب بھینچ گئی، ہاتھ ہٹا کر دیکھا، وہ مسکرا دیے۔
اس شخص کی نفرت سوہان روح تھی، تو یہ قربت۔ اور یہ
محبت۔ یہ مسکراہٹ۔“ اپنائیت و محبت سے چھیڑنا،
وہ مسکرا رہے تھے، کھلکھلا رہے تھے، اپنے ساتھ اسے
بھی ہنسنے پر مجبور کر رہے تھے، اور عیشہ جو ان کی نگاہوں
کی وارفتگی، جملوں کی معنی خیزی آپس کی قربت سے
پزل ہو رہی تھی نے ایک دم پرسکون ہو کر سیٹ کی شیٹ
سے سرٹکایا۔ اس کے دل میں یقین بھرتا چلا گیا کہ

اب یہ شخص اس کا ہے
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی کا ہے
وہ اس کی محبت کی بلا شرکت غیرے تنہا مالک ہے
وہ اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گئی تھی
کام مشکل تھا مگر وہ فاتح تھی
یہ دل بھی اس کا تھا اور شہباز حیدر بھی
زمانے کو چلنے دو چلو ایک ساتھ چلتے ہیں
نئی دنیا بسانے کو چلو ایک ساتھ چلتے ہیں
ہمیں جیون کا ہر لمحہ تمہارے نام کرنا ہے
یہی وعدہ نبھانے کو چلو ایک ساتھ چلتے ہیں

☆☆☆

گھیرے میں لیا تو وہ چونکی، جیسے ایک دم خواب سے
بیدار ہو گئی ہو۔ یہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ سچ مچ
حقیقت۔ زخم دینے والا مہربان ہو گیا تھا۔ اس سے
لا تعلقی کا مظاہرہ کرنے والا تعلق داری کا اظہار کر رہا
تھا۔ دھتکارنے والا نوازشوں پر آمادہ تھا، وہ شہباز حیدر
کی اس قربت پر جھینپ گئی، دل دھک دھک کرنے
لگا، اس نے بے اختیار شہباز کا بازو جھٹکا، ساری
صورتحال سمجھ میں آئی تو چہرہ گلنار ہوتا چلا گیا۔ شہباز نے
دل چسپی سے اس کا یہ روپ دیکھا۔ یہ روپ بھی پاگل
کر دینے والا تھا۔

”افسوس! تمہیں شاید خوشی نہیں ہوئی۔“ انداز سراسر
چھیڑنے والا تھا، وہ پلش ہو گئی۔ پھر فوراً نفی میں
سر ہلایا۔
”وہ رخصتی۔ اتنی جلدی۔ ابھی تو میں نے پیہرز۔“
شہباز حیدر کی وارفتہ مچلتی نگاہوں کی زد میں الجھ کر
جملہ بھی نامکمل چھوڑ گئی۔

”خدا کو مانو بیوی۔ ایک منٹ نہیں صبر کرنے والی
میں۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ تمہیں اس روپ میں
سیدھا اپنے بیڈ روم میں لے جاؤں مگر۔۔۔ تم
کہ۔۔۔“ وہ شہباز کے اس قدر کھلے ڈلے انداز پر حیرت
باختہ ہو گئی۔ خوف و شرم سے لرز اٹھی۔ سرخی سے چہرہ
تپنے لگا۔ اس نے محبت کی بازیابی کی دعا مانگی تھی، اللہ
نے اس کی سن لی تھی، اتنی شدت تھی شہباز کی محبت میں،
وہ سر نہ اٹھا پائی۔ جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

”تم تو یوں خوفزدہ ہو رہی ہو جیسے میں۔۔۔“ اس کی
گھبراہٹ سے لطف لیتے ہوئے شہباز حیدر نے اس کا
کندھا تھامنا تو وہ کانپ اٹھی۔

”پلیز گھر چلیں۔ اب انتظار کر رہے ہوں گے۔“
کانپتی لرزتی آواز میں کہتے اس نے چہرہ ہاتھوں میں
چھپالیا تھا۔ شہباز دل کھول کر ہنسا۔

”واجد بھائی جانتے ہیں اس وقت میرے جذبات
کیا ہو رہے ہیں۔ کوئی نہیں انتظار کر رہے